زر کا تحقیقی مُطالعہ

شرعی نقطۂ نظر سے

ڈاکٹر مولانا عصمت اللہ صاحب

إدارۃ المعارف کراچی

زر کا تحقیقی مطالعہ

شرعی نقطہ نظر سے

ڈاکٹر مولانا عصمت اللہ صاحب

باہتمام : محمد مشتاق عثمانی
طبع جدید : رمضان ۱۴۳۰ھ - ستمبر ۲۰۰۹ء
مطبع : شمس پرنٹنگ پریس کراچی
ناشر : ادارۃ المعارف کراچی

ملنے کے پتے :
ادارۃ المعارف کراچی
فون: 021-35032020 ، 021-35049733
موبائل: 0300 - 2831960
✿ مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴ ✿ دارالاشاعت، اردو بازار کراچی
✿ ادارہ اسلامیات، انارکلی لاہور

فہرستِ مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
خلاصۂ بحث ...	۴۱
زر کی قسمیں ...	۴۲
۱۔ ثمن خلقی ...	۴۲
۲۔ ثمن عرفی یا اصطلاحی ...	۴۲
ایک اہم فائدہ ...	۴۳
زر اور مال میں فرق ...	۴۴
زر اور کرنسی میں فرق ...	۴۵
کرنسی کی دو قسمیں ...	۴۶
زر کا ارتقاء (Evolution) اور مختلف نظامہائے زر ...	۴۹
ارتقاء زر کے تدریجی مراحل ایک نظر میں ...	۵۵
سکہ سازی کی تاریخ اور مختلف مراحل ...	۵۷
فلوس کی تاریخ ...	۶۱
سکہ بنانے کا حق کس کو حاصل ہے؟ ...	۶۲
زر اور سکے کے شرعی و اقتصادی وظائف ...	۶۳
افراط زر اور تفریط زر (Inflation and Deflation) ...	۶۸

باب دوم

عنوان	صفحہ نمبر
ربا (سود)	۷۰
تعریف ربا ...	۷۰
"ربا النسیئہ" کی تعریف پر مشتمل ایک مشہور حدیث کی تخریج و تحقیق ...	۷۳
ربا الفضل ...	۷۷

صفحہ نمبر	عنوان

باب سوم

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

باب پنجم

عنوان	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوان

باب ششم

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

باب ہفتم

عنوانات	صفحہ نمبر

٭٭٭

تقریظ

شیخ الاسلام

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

دامت برکاتہم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ
الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ، وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ
بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

عزیز گرامی مولانا عصمت اللہ صاحب کی کتاب "زنا تحقیقی مطالعہ" دراصل ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے، اور میری نگرانی میں لکھا گیا ہے۔ مولانا اس کی تالیف کے دوران مجھ سے مشورے بھی کرتے رہے ہیں، اور میں نے اسے تقریباً باستیعاب دیکھا ہے۔ ماشاء اللہ انہوں نے "زنا" سے متعلق فقہی مسائل ومباحث کو بہت خوبی سے اس کتاب میں جمع فرمایا ہے، اور پیچیدہ مسائل پر قابلِ قدر تحقیق کی ہے۔ اس موضوع پر کام کرنے کے لئے زنا سے متعلق عملی صورت حال کو بھی مدنظر رکھنا تھا، اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل کا خالص فقہی بنیادوں پر جائزہ بھی لینا تھا۔ ماشاء اللہ فاضل مؤلف نے دونوں پہلوؤں سے پوری احتیاط اور بالغ نظری کے ساتھ تحقیقی کام کیا ہے۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ ان کی یہ تالیف اہل علم کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی اور تحقیق و نظر کے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مقدمہ

موضوع کا تعارف اور اس کی اہمیت

اس میں شک نہیں کہ اسلام ایک عالمگیر اور ہمہ گیر دستور حیات ہے، یہ وہ دین ہے جو ہر زمانے کے حالات اور تقاضوں سے مطابقت رکھتا ہے، اور جملہ شعبہائے زندگی کے احکام کو جامع ہے، اور ہر شعبۂ زندگی سے متعلق اسلام میں ہدایات موجود ہیں۔

انسانی معاشرے میں باہمی لین دین (Dealing) کے لئے ''زر'' (Money) کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے، بلکہ باہمی معاملات کا مدار اصل زر ہی ہے۔ ''زر'' کے استعمال کا سلسلہ مختلف شکلوں میں زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے، اسلام سے قبل بھی، اور اسلام کے بعد بھی، مختلف ادوار میں زر کی شکلیں بدلتی رہیں، اور اس کی قدر و قیمت (Value) میں تغیرات اور اتار چڑھاؤ ہوتا رہا، جس کی وجہ سے زر کی بہت ساری صورتیں اور قسمیں وجود پذیر ہوئیں، جس کے نتیجے میں بہت سے نت نئے مسائل نے جنم لیا، اور جنم لے رہے ہیں۔

کچھ عرصہ سے پورے عالم اور خاص طور پر پاکستان میں ''اقتصاد'' کو اسلامی سانچے میں، اور اس کو سود جیسی لعنت سے پاک کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، اور اس سلسلے میں پاکستان کی عدالت عالیہ فیصلہ بھی دے چکی ہے۔ جس پر عنقریب عمل درآمد متوقع ہے،

اس سے اس موضوع کی اہمیت ونزاکت اور بڑھ گئی ہے۔

اس موضوع پر اردو یا عربی کی زبان میں جو کام ہوا ہے، وہ مختصر اور عدم جامعیت کی بنا پر نہ ہونے کے برابر ہے، علمائے عرب نے زر پر کچھ خاص تحقیقی کام کیا ہے۔ اور اس کے مختلف احکام اور اقسام کو ذکر کیا ہے لیکن بہت سارے احکام میں ان کی آراء میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے حتمی نتائج تک پہنچنا بسا اوقات دشوار ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ زر کی مختلف صورتوں کے احکام مختصر طریقے سے کتابوں میں مذکور ہیں، اور بعض صورتیں ایسی ہیں جو ہنوز تحقیق طلب ہیں، مثلاً: زر کی حقیقت (Nature)، زر کی مختلف اقسام کے شرعی احکام، مختلف تحریکات کا شرعی جائزہ، چیک کی شرعی حیثیت، اور اس پر قبضے کی شرعی حیثیت، اس زمانے میں افراط زر سے پیدا شدہ مسائل کے بارے میں غور اور ان کا شرعی حل، خاص طور جہاں افراط زر تقریباً سو کی حد تک پہنچا ہو جیسا کہ افغانستان وغیرہ میں یہ مسئلہ درپیش ہے، اور ان جیسے متعدد مسائل، جیسا کہ آگے تفصیل سے ان شاء اللہ تعالیٰ اندازہ ہو جائے گا۔ اس لئے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس موضوع پر ایک ایسا تحقیقی مقالہ لکھا جائے جو قومی زبان میں ہو، اور عام فہم ہو نیز جن مسائل میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے قرآن وسنت اور اس سے مستنبط اصول کی روشنی میں ان کی ترجیح تلاش کی جائے۔

اس اہمیت کے پیش نظر اس موضوع کو ایم فل - پی ایچ ڈی کے لئے منتخب کیا گیا ہے، تاکہ قرآن احادیث کی روشنی میں اس موضوع کا تفصیلی تجزیاتی تحقیقی مطالعہ کیا جائے اور متعلقہ مسائل کو اپنے انداز میں مرتب کیا جائے کہ مزید تحقیق کرنے والوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہو۔

یہ مقالہ مقدمہ، آٹھ ابواب اور اختتامیہ پر مشتمل ہے۔

چاندی پر اس کا اطلاق، خواہ سونا یا چاندی کسی بھی شکل (Shape) میں ہو، اس میں پہلے کی نسبت عموم پایا جاتا ہے، اور تیسرا اطلاق سب سے عام ہے، کیونکہ اس کی رو سے زر کا اطلاق فلوس پر بھی ہو سکتا ہے۔

یاد رہے کہ فلوس سونے یا چاندی کے نہیں ہوتے، بلکہ تانبے وغیرہ کے ہوتے ہیں، تفصیل باب دوم میں ملاحظہ فرمائیں!

زر کا تیسرا اطلاق ماہرین اقتصاد (Economists) کے موقف کے زیادہ قریب ہے، ذیل میں تفصیل دی گئی ہے۔

زر کی تعریف ماہرین اقتصاد کے نزدیک

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب "زر" کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جو چیز عرفاً آلۂ مبادلہ کے طور پر استعمال ہوتی ہو، اور وہ قدر کا پیمانہ ہو، اور اس کے ذریعے مالیت کو محفوظ کیا جاتا ہو، اسے "زر" کہتے ہیں۔"(۱)

پروفیسر کراؤتھر (Prof. Crowther) زر کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"زر سے مراد وہ شئی ہے، جو آلۂ مبادلہ کی حیثیت سے مقبول عام ہو، اور جو ساتھ ہی ساتھ معیار قدر، اور ذخیرۂ قدر کا فرض بھی سرانجام دے۔"(۲)

ڈاکٹر عدنان خالد ترکمانی اپنی کتاب میں زر کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں:

"النقد عبارة عن كل شيء يلقى قبولا عاما كوسيط للتبادل ومقياس للقيمة مهما كان ذلك الشيء وعلى أي حال يكون"

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ادارۃ المعارف کراچی، ۱۲۳، طبع اول ۱۴۱۹ھ۔
(۲) تعریف زر و بنکاری، شیخ مبارک علی، ریسرچ سکالر، صوبہ تعلیمی ادارے، زیر ناشر، طبع اول ۱۹۹۴ء۔

"زر" ہر اس شئی کو کہتے ہیں، جو آلۂ مبادلہ کی حیثیت سے مقبول عام ہو اور معیار قیمت ہو، وہ شئی کچھ بھی ہو اور کسی بھی حالت میں ہو۔"[1]

کیول کرشن اپنی کتاب میں زر کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"Money may be defined as the means of valuation and of payments : as both the unit of account and the generally accepted medium of exchange"[2]

اس تعریف کا حاصل بھی تقریباً وہی ہے، جو مذکورہ بالا تعریفات میں ذکر ہوا۔

تعریف زر کے اجزا یا خصوصیات (Features)

ان تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ زر کے چار اہم اجزا یا خصوصیات ہیں:

۱- زر کا آلۂ مبادلہ ہونا۔

۲- مقبول عام ہونا۔

۳- پیمانۂ قدر ہونا۔

۴- مالیت محفوظ کرنے کا ذریعہ ہونا۔

ہر جز کی مختصر تشریح ذیل میں ملاحظہ ہو:

۱- زر آلۂ مبادلہ ہے:- ہر انسان کو زندگی میں مختلف اشیاء کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن ہر چیز ہر ایک کے پاس ہونا ضروری نہیں، ایک چیز ایک شخص کے پاس ہے، تو دوسرے کے پاس نہیں، اور دوسرے کے جو چیز ہے، وہ اس کے پاس نہیں، اس وقت ایک دوسرے سے تبادلے کی کیا صورت ہوگی؟ سامان کو ذریعۂ تبادلہ بنانا مشکل ہے، کیونکہ ہر

(۱) السیاسۃ النقدیۃ والمصرفیۃ فی الاسلام، الترکمانی، الدکتور عدنان خالد الترکمانی: بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، طبع اول ۱۴۰۹ھ

(2) Modren Economic Theory, Dewett, Kewal Krishan India Delhi, Eighteen revised edition, 1985, P 409

آدمی کو ہر سامان کی ہر وقت ضرورت نہیں ہوتی، اور نہ ہر ایک کا ہر سامان پر راضی ہونا ضروری ہے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے سونے چاندی کو ذریعہ تبادلہ (Medium of Exchange) کے طور پر پیدا فرمایا، اور ہر انسان کے دل میں ان دونوں کی محبت و عظمت اس طرح ڈال دی کہ ہر آدمی اس کو قبول کرنے پر طبعی طور پر بھی مجبور ہے، چنانچہ شروع سے کر آج تک یہ قابل قدر ہے، اور معنوی حیثیت سے اب تک یہی ذریعہ تبادلہ ہے۔ "وضعِ زر" اس میں تعمیم کی گئی، اور زر کا مفہوم وسیع تر ہو گیا۔

۲ – زر مقبولِ عام ہو – زر بننے والی شی کے لئے ضروری ہے کہ اس میں قبولیتِ عامہ کا وصف موجود ہو، یعنی ہر شخص اسے کسی حیل و حجت کے بغیر قبول کر کے اس کے عوض مطلوبہ شی دینے کے لئے تیار ہو۔

۳ – زر پیمانۂ قدر ہو – سامان کی قیمتوں کا معیار کیا ہو؟ اگر اس کے لئے کوئی معیار اور پیمانہ مقرر نہ ہو تو ہر آدمی اپنے اندازے اور مفاد کے مطابق قیمتوں کا تقرر کرے گا جس سے نزاع کی صورت پیدا ہوگی، مثلاً اگر زر نہ ہوتا تو ایک اونٹ کی قیمت سامان اور دیگر اشیاء سے کیا ہو؟ اس کا فیصلہ بہت مشکل ہوتا، زر نے اس مشکل کو نہایت آسان کر دیا اب زر پیمانہ و معیار (Measure of value) قرار پا گیا، اونٹ کی قیمت اب زر سے متعین ہو جائے گی نہ کہ سامان سے، لہذا اس میں اب کوئی نزاع یا مشکل درپیش نہیں ہوتی۔

۴ – مالیت محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہو – اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے پاس کوئی جنس رکھی ہوئی ہو تو اس کی قیمت کم و بیش ہوتی رہتی ہے، نیز ضروری نہیں کہ ہر وقت اس کا کوئی خریدار مل جائے، اس لئے اس کی مالیت مکمل طور پر محفوظ نہیں، اس کے بجائے اگر زر رکھ لیا جائے تو عام حالات میں اس سے مالیت محفوظ رہتی ہے یعنی غیر معمولی حالات سے قطع نظر، اس کی ذاتی قیمت یکساں رہتی ہے، نیز اس سے کوئی بھی چیز جب چاہیں خرید

جا سکتی ہے۔[1]

خلاصۂ بحث یہ کہ:۔

۱:۔ ”زر“ کا اطلاق سونے اور چاندی پر متفق علیہ ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں، نہ فقہائے کرام کا اور اقتصادیین کا۔

۲:۔ ایک موقف یہ ہے کہ سونے یا چاندی جب درہم یا دینار کی شکل میں ہو تو زر ہے، ورنہ نہیں۔

۳:۔ ایک موقف یہ ہے کہ اس سلسلے میں عموم پایا جاتا ہے کہ سونا چاندی کسی بھی شکل میں ہوں، وہ زر کے حکم میں داخل ہیں۔

۴:۔ ایک موقف کے مطابق اس میں کچھ زیادہ عموم اور توسع پایا جاتا ہے، جس میں زر کا اطلاق فلوس پر بھی کیا گیا ہے۔

۵:۔ اقتصادیین (Economists) کے ہاں ”زر“ کا مفہوم اور بھی وسیع ہو گیا، اور ان کے ہاں زر ہر اس شئی سے عبارت ہے، جس میں مذکورہ خصوصیات پائی جائیں۔

---

(۱) احکام الاوراق النقدیة والتجاریة فی الفقه الاسلامی

تعارف زر و بینکاری

ـــــ اسلام اور جدید معیشت و تجارت۔

ـــــ مقدمة فی النقود و البنوك، الدكتور محمد زكی شافعی، بیروت، دار النهضة العربية، طبع هفتم۔

جدید فقہی مباحث، ج۱۳ (مولانا مجاہد الاسلام قاسمی)، کراچی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، جلد دوم۔

The Theory of Money and Credit. Mises. ,Ludwig Von Mises

ـــــ السياسة النقدية والمصرفية فی الاسلام، التركمانی (الدكتور عدنان خالد التركمانی)، بیروت، مؤسسة الرسالة، ۱۴۰۹ هـ۔

ـــــ تطور النقود فی ضوء الشريعة الاسلامية، الحسنی (الدكتور احمد حسن احمد الحسنی)، جدة، دار المدنی، طبع اول، ۱۴۱۰ هـ۔

فروخت ہو اس کو اجارہ (Leasing) اور کرایہ پر دیا جائے، اور اس سے منافع (Profit) حاصل ہو۔

جو لوگ زر کو شئی مانتے ہیں ان کے نزدیک زر دوسری قسم میں داخل ہے یعنی ان کے نزدیک زر شئی پیداوار (Production Goods) ہے۔

لہٰذا دیگر اشیاء پیداوار کی طرح زر بھی کسی شئی کے ساتھ خرید و فروخت ہو تو ہونی چاہیے، اس کو قرض دے کر اس پر سود (Interest) لینا درست ہوگا، گویا کہ زر ان کے ہاں محل تجارت ہوا اور اس میں اضافے پر شرعی طور پر کوئی قباحت نہیں ہوگی۔ (۱)

"زر کی حقیقت اور طبیعت (Nature) سے متعلق مذکورہ موقف پر نظریہ

---

(1)

The Historic Judgment on Interest, Usmani, [Justice Mohammed Taqi Usmani], Karachi, Idaratul Ma'araf, 1st edition, 2000 A.D, P 92

"The commodities are classified into the commodities of first order which are normally termed as 'consumption goods' and the commodities of the higher order which are called 'production goods'. Since money, having no intrinsic utility, could not be included in 'consumption goods' most of the economists had no option but to put it under the category of production goods."

The Theory of Money and Credit, Ludwig Von Mises, Liberty Classics Indianapolis, 1980, P 95, Ch 5 Part one

"It is usual to divide economic goods into the two classes of those which satisfy human needs directly and those which only satisfy them indirectly that is consumption goods, or goods of the first order, and production goods, or goods of the higher order."

Introduction to Economic Principles, Dr A. N. Agarawala, Kitab Mahal 1987

"Robertson defines money as a commodity which is used to denote any thing which is widely accepted in payment for goods or in discharge of other kinds of business obligation."

——— الربا خطره وسبل التخلص منه، المصنف الدكتور حمد بن عبد العزيز الحمد، مصر، مطبعة المدني، الطبعة الأولى ۱۴۰۲ھ، ص ۲۹۔

——— جهود في تحريم الربا، الشيخ محمد شاكر محمود الشيخ، مصر، مطابع الأهرام التجارية، القاهرة، ص ۳۳۔

(Theory) اس قدر کمزور اور بے بنیاد ہے کہ اس کو نہ صرف علمائے اسلام نے رد کیا ہے، بلکہ خود بیشتر ماہرین معاشیات بھی اس کی نفی کرتے ہیں۔

ہم اس مقالے میں پہلے ماہرین معاشیات کی طرف سے اس نظریے کا ابطال (Negation) پیش کریں گے، اور اس کے بعد علمائے اسلام کی متعلقہ آراء بیان کریں گے۔

مذکورہ موقف اہل اقتصاد کی نظر میں

Kewal Krishan Dewett اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:۔[1]

"How money differs from goods? Goods are mainly of two types: the consumer goods, and producer or capital goods. It cannot be consumed as such.There was a time when some commodities served as money and there are exceptional circumstances in modern time too, e.g.in Germany in 1945 when here was hyper inflation ,cigarattes served as money .But normally is not an ordinary consumer good...

Money cannot also be regarded as a capital good.Capital goods like machines and raw materials help in the manufacture of goods by their physical transformation....It performs entirely a different function. Money is an exchange good, and useful only in an exchange economy."

خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ اشیاء دو قسم کی ہیں: اشیائے صرفی اور اشیائے سرمایہ یا پیداوار، "زر" پہلی قسم میں عام حالات میں داخل نہیں ہوسکتا، کیونکہ زر اس طرح خرچ نہیں کیا جاسکتا کہ اس سے براہ راست کوئی انسانی ضرورت پوری ہو، اسی طرح زر اشیائے سرمایہ میں سے بھی نہیں ہوسکتا، اشیائے سرمایہ مثلاً مشینری یا خام مال ذاتی طور پر دوسرے مال بنانے میں مدد دیتا ہے، لیکن زر میں یہ خاصیت موجود نہیں، اس کا وظیفہ

(1) Modren Economic Theory,P:409

بالکل مختلف ہے۔ زر صرف شئی مبادلہ ہے اور مبادلے کا ذریعہ ہے۔

پروفیسر محمد منظور علی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:۔(۱)

”زر یعنی نوٹ اور اس کے سکے براہ راست صرفی شئی (Consumer Good) نہیں ہے، یعنی زر کسی انسانی حاجت کو براہ راست پورا نہیں کرتا، کیونکہ یہ کھانے یا پہننے یا رہنے کے کام نہیں آتا، مثلاً آپ سونے کے سکے یا کاغذ کے نوٹ یا بنک چیک نہ کھا سکتے ہیں، نہ بدن پر پہن سکتے ہیں۔......کوئی صرفی شئی صرف دو حالتوں میں زر بن سکتی ہے یا تو قدیم طرز کی پس ماندہ سوسائٹی میں یا پھر غیر معمولی حالات میں۔ جنگ عظیم کے بعد جب جرمنی کو شکست ہوئی تو وہاں سگریٹ نے زر کا مرتبہ حاصل کر لیا تھا۔........

”زر“ اشیائے سرمایہ سے بھی مختلف ہے، کیونکہ زر کے فرائض اشیائے سرمایہ کے فرائض سے بالکل مختلف ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ زر صرف اس لئے کارآمد ہے کہ اسے آلۂ مبادلہ کی حیثیت حاصل ہے۔“

Ludwig Von Mises نے اپنی کتاب(۲) میں اس نظریے کی تردید میں باقاعدہ ایک باب(Chapter) باندھا ہے، جو ۱۳ صفحات پر مشتمل ہے، اس باب کا عنوان ہی یہی ہے، عنوان ملاحظہ ہو۔

Money as economic good "Money neither a production good nor a consuption good"

”یعنی زر نہ شئی سرمایہ ہے، اور نہ ہی شئی صرفی ہے۔“

اس باب میں صاحب کتاب نے مفصل بحث کی ہے، اور دلائل بیان کئے ہیں۔

---

(۱) کتاب معاشیات ص(۲۰۲)۔ پروفیسر محمد منظور علی طبع ۱۹۸۲ء علمی کتاب خانہ

(۲) The Theory of Money and Credit ,P 95

تو بعض نے صراحت بھی کی ہے۔

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے سود سے متعلق سپریم کورٹ آف پاکستان کے لئے جو مشہور فیصلہ لکھا ہے، اور جس نے ایک تاریخی حیثیت حاصل کی ہے، یعنی "The Historic Judgment on Interest" اس میں انہوں نے اس نظریے کی اسلامی اور اقتصادی نقطۂ نظر سے تفصیل سے تردید فرمائی ہے۔[1]

انہوں نے اسلامی نقطۂ نظر سے "زر" (Money) اور "شی" (Commodity) میں تین بنیادی فروق بیان فرمائے ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱- زر براہ راست انسانی ضرورت و حاجت کو پورا نہیں کرسکتا، زر اشیاء (Commodities) اور خدمات (Services) کے حصول کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جبکہ شی براہ راست انسانی ضرورت کو پورا کرسکتی ہے۔

۲- اشیاء کے مختلف معیار ہوتے ہیں، (کوئی شی گھٹیا ہوتی ہے، اور کوئی شی سستی ہوتی ہے۔) جبکہ زر کی سوائے اس کیفیت کی اور کوئی کیفیت نہیں کہ وہ پیمانۂ قدر اور آلۂ مبادلہ ہے، اس لئے ایک قیمت کے زر کی تمام اکائیاں (Units) آپس میں سو فیصد مساوی ہوتی ہیں، ایک ہزار کا پرانا نوٹ اور نیا نوٹ معیار میں برابر ہیں۔

۳- اشیاء میں خرید و فروخت کے معاملات (Transactions) انہی خاص اشیاء کے ساتھ خاص ہوتے ہیں، جن پر یہ معاملات واقع ہوئے ہوں، ایک خاص کار کی طرف اشارہ کرکے اگر "الف" اس کو "ب" کے ہاتھ فروخت کرے، اور "ب" اس پر راضی ہوکر اس کو خرید لے، تو خریدار "ب" اسی خاص کار کی وصولی کا حق دار ہوگا، خریدار کو دوسری کار لینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، جبکہ زر کسی معاملے میں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا، اگر "الف" "ب" کو کوئی خاص نوٹ دکھا کر اس سے کوئی چیز خریدے، تو "الف" "ب" کو اس خاص نوٹ کی بجائے دوسرا نوٹ بھی دے سکتا ہے، اور "ب" اس کو لینے پر مجبور ہوگا،

---

(1) P.90

نے ان کو اس لئے پیدا فرمایا تاکہ یہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جائیں، اور اموال غیر متناسبہ میں مساوات پیدا کریں، اور ان میں یہ حکمت بھی رکھی کہ ان سے دیگر اشیاء حاصل ہو سکیں، اور جس نے بھی زر (درہم و دینار) میں سود کا معاملہ کیا تو اس نے نعمت خداوندی کی ناشکری کی اور ظلم کیا، کیونکہ ان دونوں کی تخلیق اپنے لئے نہیں بلکہ غیر کے لئے ہے کیونکہ یہ دونوں مقصود بالذات نہیں، چنانچہ جب کوئی شخص ان دونوں میں تجارت کرے گا، تو اس نے ان دونوں کو اس حکمت سے ہٹایا، جس کے لئے ان کی تخلیق ہوئی تھی:

"اذ طلب النقد لغیر ما وضع له ظلم"

کیونکہ زر کو کسی چیز کے لئے لینا جس کے لئے یہ پیدا نہیں ہوا ہے ظلم ہے۔"[1]

گویا کہ زر کے ساتھ تمام اشیاء کا سلوک کرنا، اور اس کو محل تجارت (Tradable) بنا دینا ظلم ہے، زر کے معاملے میں انصاف یہی ہے کہ جس مقصود کے لئے اس کی تخلیق ہوئی ہے، اسی مقصود میں اس کو استعمال کیا جائے۔

ایک اہم اشکال اور اس کا جواب

امام غزالی کی مذکورہ عبارت کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ درہم یا دینار محض ایک وسیلہ ہے، اور اشیائے غیر متناسبہ کے درمیان مساوات پیدا کرنے کا ایک معیار اور ثالث ہے، نہ یہ مقصود بالذات ہے، اور نہ ہی محل تجارت، چنانچہ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"فاذا اتجر فی عینهما فقد اتخذهما مقصودا علی خلاف وضع الحکمة"[2]

"جب کوئی شخص ان دونوں کی ذات میں تجارت کرے گا، تو ان کو اس حکمت کے خلاف استعمال کرے گا، جس کے لئے ان دونوں کی

(۱) احیاء علوم الدین، الغزالی، الامام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی م ۵۰۵ھ، بیروت لبنان، دار المعرفة، ج ۴، ص ۹۱۔

(۲) حوالہ بالا، ص ۹۳

تحقیق ہوتی ہے۔"

اس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ پھر تو زر کو زر کے مقابے میں فروخت کرنا بالکل ناجائز ہو، حالانکہ دراہم کی بیع دینار یا دینار کی بیع دراہم کے ساتھ شرعاً جائز ہے، اور اس میں کمی بیشی بھی درست ہے، اسی طرح درہم کو درہم کے مقابے میں فروخت کرنا یا دینار کو دینار کے مقابے میں فروخت کرنا درست ہے، جبکہ دونوں جانب برابر سرابر ہوں، اور ان معاملات کے جواز میں شرعی اعتبار سے کوئی شبہ نہیں۔

اس کا جواب خود امام غزالیؒ نے دیا ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو:-

"درہم و دینار کی تخلیق سے اصل مقصد تو ان کے ذریعہ مختلف اشیاء کا حصول ہی ہے، لیکن اس مقصد میں ایک قسم کا زر دوسری قسم سے مختلف ہوسکتا ہے، بایں طور کہ ایک قسم سے دوسری قسم کے مقابلے میں اشیاء کے حصول تک رسائی آسان ہو، مثلاً اگر دینار کے درہم بنائے جائیں تو درہم دینار کے مقابلے میں زیادہ ہوں گے، اور ان کو تھوڑا تھوڑا کرکے سب ضروریات پوری ہوسکیں گے، پس اگر اس کے مبادلے سے منع کیا جائے، تو مقصود خاص (مبادلہ) بھی معطل ہوگا ......اسی طرح ایک درہم کو اس کے ہم مثل درہم کے ساتھ بیع کو ہم نے جائز قرار دیا کیونکہ اس طرح کرنا ایک لغو اور فضول کام ہے، اور اس میں کوئی عاقل دلچسپی نہیں لیتا، تو ایسے بے رغبت کام کو کیوں منع کریں؟ (یعنی جب اس میں کوئی فائدہ نہیں تو کوئی عقلمند اس کو اختیار بھی نہیں کرے گا، تو اس کو ممنوع قرار دینے کا کوئی فائدہ بھی نہیں، اسی لئے مختلف الاجناس زر کو ایک دوسرے کے ساتھ مبادلہ اور ایک درہم کو درہم کے مقابلے میں یا دینار کو دینار کے مقابلے میں

نہ کہ اس کی حیثیت بطور زر ہونا عرف اور اصطلاح کی وجہ سے ہو یعنی اس کا ثمن ہونا طبعی اور خلقی طور پر ہو گویا اس کی تخلیق (Creation) ہی ثمن ہونے کے لئے ہوئی ہے جیسا کہ سونا چاندی خواہ کسی بھی شکل میں ہوں۔

ثمن خلقی صرف سونا چاندی ہے، سونے اور چاندی کے علاوہ اور کوئی چیز ثمن خلقی نہیں۔ سونے اور چاندی کے علاوہ جو بھی چیز زر کے طور پر استعمال ہوتی ہے یا کسی زمانے میں استعمال ہوئی ہے وہ ثمن عرفی یا ثمن اصطلاحی ہے مثلاً:—

ثمن عرفی یا اصطلاحی وہ زر یا ثمن ہے جس کی ثمنیت لوگوں کی باہمی اتفاق اور عرف کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو۔ اگر عرف یا رواج نہ ہو تو وہ ثمن نہ ہوتی جیسے کہ تانبے، نکل ٹین کا کاغذی نوٹ یا کرنسی وغیرہ۔

ایک اہم فائدہ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سونا چاندی معدنیات میں سے ہیں، اسی وجہ سے ان دونوں کو "حجرین" بھی کہا جاتا ہے۔ تو معدنیات تو اور بھی ہیں اور بعض ان میں سے بہت قیمتی بھی ہیں جو معدنیات میں سے ہیں صرف سونے اور چاندی کو کیوں ثمن خلقی کہا گیا یا ثمن خلقی کے طور پر استعمال کیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سونے اور چاندی میں اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی صفات اور خصوصیات رکھی ہیں، جو بیک وقت دوسری دھاتوں یا معادن میں موجود نہیں، بلکہ دوسرے معادن ان سے محروم ہیں۔ جو کہ ثمن ہونے کی بنیادی شرائط ہیں، اور ان میں سے بعض صفات اور خصوصیات درج ذیل ہیں:—

۱۔ یہ دونوں چمکدار ہوتے ہیں اور آسانی سے ان کو پہچانا جاتا ہے۔

۲۔ سونا چاندی پر سالوں تک زنگ نہیں چڑھتی ہے، اور دیر تک محفوظ رکھی جا سکتی ہے۔

۳- سونے یا چاندی سے کوئی بھی شکل آسانی سے بن سکتی ہے۔

۴- سونے یا چاندی میں کبھی بدبو پیدا نہیں ہوتی، اور نہ اس کے ذائقے میں فرق آتا ہے۔

۵- جتنے عرصے تک بھی یہ دونوں پتھر زمین میں مدفون رہیں، تو اس سے ان میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

۶- سونے چاندی کو اللہ تعالیٰ نے ایسی ہیئت اور علامات سے نوازا ہے کہ ان میں کھوٹ وغیرہ کا فوراً پتہ چل جاتا ہے۔

۷- ان دونوں کا حجم چھوٹا ہوتا ہے۔

۸- یہ دونوں انسان کو وہ زینت و جمال بخشتا ہے، جو دوسرا پتھر نہیں بخش سکتا ہے۔

۹- دوسرے معادن کی نسبت سونے اور چاندی کی پیداوار بہت کم ہے۔

۱۰- ان کے افراد میں مماثلت پائی جاتی ہے۔(۱)

یہ وہ صفات ہیں جو بیک وقت کسی اور دھات میں موجود نہیں، اس لیے ثمن خلقی ہونے کا شرف ان دو پتھروں ہی کو حاصل ہوا۔

زر اور مال میں فرق

زر "Money" اور مال "Wealth" میں فرق کے سمجھنے میں آسان تعبیر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ "زر" مال کی ایک قسم ہے، یعنی مال عام ہے، اور زر خاص ہے، جس کی حیثیت مال کے مقابلے میں محض ایک قسم کی ہے، کیونکہ مال کی تعریف علامہ ابن نجیم نے یہ فرمائی ہے:-

"المال کل ما یتملکه الناس من نقد و عروض و حیوان

---

(۱) مقدمة في النقود و البنوك، الشافعي (الدكتور محمد زكي الشافعي) بيروت: دار النهضة العربية، طبع هفتم، ص ۳۳؛

____ تطور النقود ص ۳۴

تھی، اس لئے آہستہ آہستہ لوگوں نے یہ طریقہ ترک کر دیا۔

۲- اس کے بعد ایک اور نظام رائج ہوا، جس کو "زر بضاعتی کا نظام" (Commodity Money System) کہا جاتا ہے۔ اس نظام میں لوگوں نے مخصوص اشیاء کو بطور ثمن کے تبادلے کا ذریعہ بنایا، اور عام طور پر ایسی اشیاء کو تبادلے کا ذریعہ بنایا جاتا جو کثیر الاستعمال ہوتی تھیں، مثلاً کہیں اناج اور گندم کو ذریعہ تبادلہ بنایا، اور کہیں کھال اور چمڑے کو اور کہیں لوہے وغیرہ کو تبادلے کا ذریعہ بنایا۔

۳- مگر ان اشیاء کو تبادلے میں استعمال کرنے میں بھی لوگوں کو بہت سی مشکلات پیش آتی تھیں، اس لئے آہستہ آہستہ لوگ اس طریقے سے اکتا گئے، اور جیسے جیسے آبادی بڑھتی گئی، لوگوں کی ضروریات میں اضافہ ہونے لگا، اور تبادلے کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہونے لگی تو لوگوں نے سوچا کہ تبادلے کا جو طریقہ ہم نے اختیار کیا ہے، اس میں بہت سی مشکلات ہیں، لہذا تبادلے کا کوئی ایسا طریقہ ہونا چاہئے جس میں نقل و حمل آسان ہو اور اس پر لوگوں کا اعتماد بھی زیادہ ہو، چنانچہ اس مرحلے پر لوگوں نے سونے اور چاندی کو ذریعہ تبادلہ بنا لیا کیونکہ ان دونوں دھاتوں نے اشیاء کی قیمت کے لئے ایک پیمانے کی حیثیت اختیار کر لی، اور تمام ممالک اور شہروں میں لوگ ان دھاتوں پر اعتماد کرنے لگے، اس نظام کو "نظام زر معدنی" (Metalic Money System) کہا جاتا ہے۔

پھر اس نظام پر بہت سے تغیرات اور تفاوت گزرے ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

۱ ابتداء میں لوگ ایسے سونے چاندی کو بطور زر کے استعمال کرتے جو ساخت، وزن اور صفائی کے اعتبار سے مختلف ہوتا تھا، کوئی سونا ٹکڑے کی شکل میں ہوتا تھا، کوئی ڈلی، ڈھلے ہوئے برتن اور زیور کی شکل میں ہوتا تھا، لیکن تبادلے کے وقت صرف وزن کا اعتبار کیا جاتا تھا۔

۲ اس کے بعد ڈھلے ہوئے سکوں کا رواج شروع ہو گیا، بعض شہروں

سکوں میں آپس میں تبادلے کے لئے جو قیمت مقرر کی گئی تھی وہ مختلف شہروں میں مختلف ہو جاتی تھی جس کی بناء پر لوگ کرنسی کی تجارت میں دلچسپی لینے لگے، مثلاً امریکا میں ایک سونے کے سکے کی قیمت پندرہ چاندی کے سکے ہوتی، لیکن بالکل اس وقت میں یورپ میں ایک سونے کے سکے کی قیمت چاندی کے ساڑھے پندرہ سکے کے برابر ہوتی، اس صورت حال میں تاجر امریکا سے سونے کے سکے جمع کر کے یورپ میں فروخت کر دیتے تاکہ وہاں سے ان کو زیادہ چاندی حاصل ہو جائے اور پھر وہ چاندی کے سکے امریکا لاکر ان کو سونے کے سکوں میں تبدیل کر دیتے اور پھر یہ سونے کے سکے دوبارہ جاکر یورپ میں فروخت کر دیتے اور اس کے بدلے چاندی لے آتے، لیکن اس تجارت کے نتیجے میں امریکا کا سونا مسلسل یورپ منتقل ہوتا رہا، گویا کہ چاندی کے سکوں نے سونے کے سکوں کو امریکا سے باہر نکال دیا، پھر جب ۱۸۳۴ء میں امریکا نے سونے اور چاندی کے سکوں کے درمیان اس تناسب کو بدل دیا اور سونے کے ایک سکے کو چاندی کے سولہ سکوں کے مساوی قرار دے دیے، تو معاملہ پہلی صورت کے برعکس ہو گیا، اب سونے کے سکے امریکا میں منتقل ہونے شروع ہو گئے اور چاندی کے سکے یورپ منتقل ہونے لگے، گویا کہ سونے کے سکوں نے چاندی کے سکوں کو امریکا سے نکال دیا۔

۴ سکے چاہے سونے کے ہوں یا چاندی کے اگرچہ سامان اور اسباب کے مقابلے میں ان کی نقل وحمل آسان ہے، لیکن دوسری طرف ان کو چوری کرنا بھی آسان ہے، اس لئے مالداروں کے لئے ان سکوں کی بہت بڑی مقدار کو ذخیرہ کر کے گھر میں رکھنا مشکل ہو گیا، چنانچہ وہ لوگ ان سکوں کی بہت بڑی مقدار کو سناروں اور صرافوں (Money Changers) کے پاس بطور امانت کے رکھوانے لگے، اور وہ سنار اور صراف ان سکوں کو اپنے پاس رکھتے وقت ان امانت رکھنے والوں کو بطور وثیقہ کے ایک کاغذ یا رسید (Receipt) جاری کر دیتے، آہستہ آہستہ جب لوگوں کو ان سناروں پر اعتماد زیادہ ہو گیا تو یہی رسیدیں، جو ان سناروں نے امانت قبول کرتے وقت بطور دستاویز جاری کی تھیں، بیع وشراء میں بطور

شکل کے استعمال ہونے لگیں، لہٰذا ایک خریدار کو خریداری کے وقت بجائے نقد سکے
ادا کرنے کے انہی رسیدوں میں سے ایک رسید ہی کو دے دیتا اور دکاندار ان سناروں پر
اعتماد کی بنیاد پر اس رسید کو قبول کرلیتا۔

اس مرحلے سے کاغذی نوٹ کی ابتدا ہوتی ہے، لیکن ابتدا میں نہ اس کی کوئی خاص
شکل وصورت تھی اور نہ اس کی کوئی ایسی قانونی حیثیت تھی جس کی وجہ سے لوگوں کو اس کے
قبول کرنے پر مجبور کیا جاسکے، بلکہ اس کے قبول اور رد کرنے کا دارومدار اس بات پر تھا کہ
اسے قبول کرنے والا اس کے جاری کرنے والے سنار پر کتنا بھروسہ رکھتا ہے۔

۵۔ جب ۱۶۰۰ء کے اوائل میں بازاروں میں ان رسیدوں کا رواج
زیادہ ہوگیا، تو ان رسیدوں نے ترقی کرکے ایک باضابطہ صورت اختیار کرلی، جسے بینک
نوٹ کہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے سویڈن کے اسٹاک ہوم بینک نے اسے بطور
کاغذی نوٹ کے جاری کیا۔

اس وقت جاری کرنے والے بینک کے پاس ان کاغذی نوٹوں کے بدلے میں
سو فیصد اتنی مالیت کا سونا موجود ہوتا تھا، اور بینک یہ التزام کرتا تھا کہ وہ صرف اتنی مقدار میں
نوٹ جاری کرے جتنی مقدار میں اس کے پاس سونا موجود ہے، اور اس کاغذی نوٹ کے
حامل کو اختیار تھا کہ وہ جس وقت چاہے بینک جاکر اس کے بدلے میں سونے کی سلاخ
حاصل کرلے، اسی وجہ سے اس نظام کو ”سونے کی سلاخوں کا معیار“ (Gold Bullion
Standard) کہا جاتا ہے۔

۶۔ ۱۸۳۳ء میں جب ”بینک نوٹ“ کا رواج بہت زیادہ ہونے لگا تو
حکومت نے اس کو ”زرِ قانونی“ (Legal Tender) قرار دے دیا، اور ہر قرض دینے والے
پر یہ لازم کردیا کہ وہ اپنے قرض کے بدلے میں اس نوٹ کو بھی اسی طرح ضرور قبول کرے
گا، جس طرح اس کے لئے سونے چاندی کے سکے قبول کرنا لازم ہے، اس کے بعد پھر
تجارتی بینکوں کو اس کے جاری کرنے سے روک دیا گیا، اور صرف حکومت کے ماتحت چلنے

(Intrinsic Value) سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، جس کو "علامتی زر" (Token Money) کہا جاتا ہے، اس لئے کہ اس نوٹ کی معدنی حیثیت اس کی اس ظاہری قیمت کی محض علامت ہوتی ہے جو کبھی اس کی ذاتی قیمت کی ٹھیک ٹھیک نمائندگی نہیں کرتی تھی۔

۸ رفتہ رفتہ زرِ اعتباری کا رواج بڑھتے بڑھتے اتنا زیادہ ہو گیا کہ ملک میں پھیلے ہوئے نوٹوں کی تعداد میں موجود سونے کی مقدار کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہو گئی، یہاں تک کہ حکومت کو اس بات کا خطرہ لاحق ہو گیا کہ سونے کی موجودہ مقدار کے ذریعے ان نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ پورا نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ بعض شہروں میں حقیقۃً یہ واقعہ پیش آیا کہ مرکزی بینک نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ پورا نہ کر سکا۔

اس وقت بہت سے ملکوں نے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے کے لئے بہت سی کڑی شرطیں لگا دیں، انگلینڈ نے تو ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد اس تبدیلی کو بالکل بند کر دیا، البتہ ۱۹۲۵ء میں دوبارہ تبدیلی کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی کہ ایک ہزار سات سو پونڈ سے کم کی مقدار کا کوئی شخص تبدیلی کرانے کا مطالبہ نہیں کر سکتا، چنانچہ اس شرط کے نتیجے میں عام لوگ تو اپنے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے کا مطالبہ کرنے سے محروم ہو گئے، اس لئے کہ اس زمانے میں یہ مقدار اتنی زیادہ تھی کہ بہت کم لوگ اتنی مقدار کے مالک ہوتے تھے، لیکن اس قانون کی انہوں نے اس لئے کوئی خاص پرواہ نہیں کی کہ یہ کاغذی نوٹ زرِ قانونی ہو گئے اور ملکی معاملات میں بالکل اسی طرح قبول کئے جاتے تھے جس طرح اصلی کرنسی قبول کی جاتی تھی اور اس کے ذریعے اندرون ملک تجارت کرکے اسی طرح نفع حاصل کیا جا سکتا تھا جس طرح دھاتی کرنسی کے ذریعے تجارت کرکے نفع حاصل کیا جاتا تھا۔

۹ پھر ۱۹۳۱ء میں برطانوی حکومت نے ان نوٹوں کو سونے سے تبدیل کرانے کی بالکل ممانعت کر دی، حتیٰ کہ اس شخص کے لئے بھی جو مقررہ سو پونڈ کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ کرے، اور لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ سونے کے بجائے صرف ان نوٹوں

پر اکتفا کریں اور اپنے تمام کاروبار اور معاملات میں اسی کا لین دین کریں، لیکن حکومتوں نے آپس میں ایک دوسرے کے حق کے احترام کو برقرار رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کے قانون کو برقرار رکھا، چنانچہ اندرون ملک اگرچہ ان نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے کی ممانعت تھی لیکن ہر حکومت نے یہ التزام کیا تھا کہ اگر اس کی کرنسی دوسرے ملک میں چلی گئی اور دوسری حکومت اس کرنسی کے بدلے میں سونے کا مطالبہ کرے گی، تو یہ حکومت اپنے کرنسی نوٹوں کے بدلے میں اس کو سونا فراہم کرے گی، مثلاً اگر امریکہ کے پاس برطانیہ کے اسٹرلنگ پونڈ آئے اور وہ اب ان کے بدلے میں برطانیہ سے سونے کا مطالبہ کرے تو برطانیہ پر لازم ہے کہ وہ ان کے بدلے میں امریکہ کو سونا فراہم کرے، اس کو ''سونے کی مبادلت کا معیار'' (Gold Exchange Standard) کہا جاتا ہے۔

۱۰ اسی اصول پر سالہا سال تک عمل ہوتا رہا حتیٰ کہ جب ریاستہائے متحدہ امریکا کو ڈالر کی قیمت میں کمی کے باعث سخت بحران کا سامنا کرنا پڑا اور ۱۹۷۱ء میں سونے کی بہت قلت ہوگئی تو امریکی حکومت اس بات پر مجبور ہوئی کہ دوسری حکومتوں کے لئے بھی ڈالر کو سونے میں تبدیل کرنے کا قانون ختم کردے، چنانچہ ۱۵ راگست ۱۹۷۱ء کو اس نے یہ قانون نافذ کردیا اور اس طرح کاغذی نوٹ کو سونے سے مستحکم رکھنے کی جو آخری شکل تھی وہ بھی اس قانون کے بعد ختم ہوگئی۔ اس کے بعد ۱۹۷۰ء میں بین الاقوامی مالی فنڈ (International Monetary Fund) نے سونے کے بدل کے طور پر ایک ''زرِ مبادلہ نکلوانے کے حق'' (Special Drawing Rights) کا نظریہ پیش کیا، اس نظریے کا حاصل یہ تھا کہ بین الاقوامی مالی فنڈ کے ممبران کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ مختلف ممالک کی کرنسی کی ایک معین مقدار غیر ملکی قرضوں کی ادائیگی کے لئے نکلوا سکتے ہیں اور مقدار کے تعین کے لئے ۰.۸۸۸۶۷۱ گرام سونے کو معیار مقرر کیا گیا کہ اتنی مقدار کا سونا جتنی کرنسی کے ذریعہ خریدا جاسکتا ہو اتنی کرنسی ایک ملک نکلوا سکتا ہے، لہٰذا اب صورت حال یہ ہے کہ زر

مبادلہ نکلوانے کا حق جسے اختصار کے لئے (S.D.R) کہا جاتا ہے سونے کی پشت پناہی کا نعم البدل بن چکا ہے۔

اس طرح اب سونا کرنسی کے دائرے سے بالکل خارج ہو چکا ہے اور اب سونے کا کرنسی سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا اور نوٹوں اور زر علامتی نے پوری طرح سونے کی جگہ لی ہے، اب نوٹ نہ سونے کی نمائندگی کرتے ہیں، نہ چاندی کی، بلکہ ایک فرضی قوت خرید کی نمائندگی کرتے ہیں، لیکن چونکہ کرنسی کے اس نظام میں ایک مستقل اور بدیہی نظام کی طرح اب تک مضبوطی اور جمود پیدا نہیں ہوا، اس لئے تقریباً تمام ممالک میں اس بات کی تحریک چل رہی ہے کہ پہلے کی طرح پھر سونے کو مالی نظام کی بنیاد مقرر کی جائے، یہاں تک کہ دوبارہ سونے کی سلاخوں کے نظام کی طرف لوٹنے کی آوازیں اٹھنے لگی ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ تمام ممالک اب بھی اپنے آپ کو سونے سے بے نیاز اور مستغنی نہیں سمجھتے، بلکہ ہر ملک اب بھی احتیاطی تدبیر کے طور پر زیادہ سے زیادہ سونے کے ذخائر جمع رکھنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات اور انقلابات میں یہ سونا کام آئے، لیکن سونے کی بڑی سے بڑی مقدار کا یہ ذخیرہ صرف ایک احتیاطی تدبیر کے طور پر ہے، اس کا موجودہ دور میں رائج کرنسی سے کوئی قانونی تعلق نہیں ہے، خواہ وہ کرنسی نوٹ کی شکل میں ہو یا دھاتی سکوں کی شکل میں۔ (1)

(1) احکام الاوراق النقدیة، العثمانی، القاضی المفتی محمد تقی العثمانی، کراتشی مکتبہ دار العلوم، طبع اول ۱۴۰۹ھ ص ۳

— ایضاً کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم ص ۷

— مقدمة فی النقود والبنوک ص ۸۔ الدکتور محمد زکی شافعی

— تطور النقود فی ضوء الشریعة الاسلامیة ص ۹۱، الدکتور احمد حسن احمد الحسینی

— تجارت اور بینکاری ص ۵۰، شیخ محمود علی

— ایضاً کتاب معاشیات حصہ دوم ص ۱۳

(باقی اگلے صفحہ پر)

(Bi-Metallism) کہتے ہیں۔

۴- حفاظت کے پیش نظر سونے چاندی کو سناروں کے پاس بطور امانت رکھوانے کا دستور شروع ہوا۔ جس کے نتیجے میں مالکوں کو رسیدیں (Receipts) جاری ہوتی تھیں۔ اور خریداری میں ان رسیدوں کو منتقلی حاصل ہوئی۔

۵- رسیدوں کے رواج میں تیزی آنے کے بعد "بینک نوٹ" کا رواج شروع ہوگیا۔ یہ کاغذی نوٹ ہے۔ اس میں جاری شدہ نوٹوں کے سو فیصد برابر سونا موجود ہوتا تھا اور بوقت طلب حامل کو سونے کی سلاخ ملا کرتی تھی۔ اس لئے اس نظام کو "سونے کی سلاخوں کا معیار" (Gold Bullion Standard) کہتے ہیں۔

۶- ۱۸۳۳ء میں بینک نوٹ کو "زرِ قانونی" (Legal Tender) قرار دیا گیا۔ اس مرحلے پر صرف حکومتی مرکزی بینک ہی یہ نوٹ جاری کر سکتے تھے۔

۷- حکومتی ضروریات کے پیش نظر جاری شدہ نوٹوں کے تناسب سے زیادہ نوٹ جاری ہونے لگے۔ ان نوٹوں کو "زرِ اعتباری" (Fiduciary Money) کہتے ہیں۔ اس مرحلے پر سکوں میں دھات کی مقدار پہلے کی طرح باقی نہ رہی جس سے ظاہری قیمت اصلی قیمت سے کافی زیادہ ہوگئی۔ اور اب ان کو "علامتی زر" (Token Money) کا نام دیا گیا۔

۸- زرِ اعتباری کا رواج بڑھنے کی وجہ سے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کو بالکل محدود کر دیا گیا۔

۹- ۱۹۳۱ء میں نوٹوں کو عوامی سطح پر سونے میں تبدیل کرنے کی بالکل ممانعت کی گئی۔ صرف ممالک کے آپس میں اس کو لازم رکھا جاتا تھا۔ اس نظام کو "سونے کی مبادلت کا معیار" (Gold Exchange Standard) کہتے ہیں۔

۱۰- ۱۹۷۱ء میں ممالک کی سطح پر بھی اس کی ممانعت ہوئی۔ اور یوں سونا کرنسی کے دائرے سے بالکل خارج ہوگیا۔ گویا کہ ۱۹۷۱ء سے کرنسی کی پشت پر کوئی سونا نہیں رہا۔ گو

دیا گیا، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں ان کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے شاہی سکے کے خلاف سکہ بنایا تھا تو انہوں نے اس کو سزا دی، اور اس کو جیل میں ڈلوا دیا۔ عبدالملک بن مروان نے ایک آدمی کو اسی طرح گرفتار کیا تھا تو اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا، لیکن بعد میں اس کو معاف کیا، اور اس کو صرف سزا دی۔

یہاں تک کہ دور عباسی آگیا، اور یہ وہ دور ہے جب اضطراب اور انتشار کا شکار ہو گیا، اور چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں وجود میں آگئیں، اس زمانے میں ملاوٹ اور کھوٹ کا سلسلہ شروع ہو گیا، جس کی کئی قسمیں بن گئیں:-

۱- وہ دراہم جن میں تانبے یا پیتل کی نسبت چاندی کا مادہ غالب رہتا تھا، یہ عباسی دور کا ابتدائی زمانہ تھا۔

۲- وہ دراہم جن میں چاندی اور کھوٹ دونوں برابر برابر تھے۔

۳- وہ دراہم جن میں چاندی کی نسبت دوسرا مادہ غالب تھا، یہ دراہم ظاہر بنو بویہ کے زمانے میں وجود میں آئے، اور ان کو "سوداء" کہا جاتا تھا۔ چنانچہ کتب فقہ میں "دراہم بہرجہ" اور "دراہم مستوقہ" کی اصطلاح اسی قسم کے دراہم کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

چنانچہ المقریزی فرماتے ہیں کہ ۳۹۷ھ کے بعد چاندی کم ہو گئی، اور نایاب ہو گئی، اور مصر میں خالص دراہم کی تعداد بہت کم ہو گئی، چنانچہ ان کی جگہ کھوٹ نے لی، چنانچہ شام میں ایسے دراہم وجود میں آئے کہ ان میں چاندی ایک تہائی (۱/۳) سے بھی کم تھی۔

کہا جاتا ہے کہ صلاح الدین نے مخلوط دراہم بنائے جن میں تانبا اور چاندی برابر تھی، تو شروع میں تاجروں نے ان کو لینے سے انکار کیا۔ صلاح الدین کی حکومت جب وسیع ہوئی، اور سونا اور چاندی ختم ہو گئی، حتیٰ کہ ان کا وجود نایاب ہو گیا تو انہوں نے ایسے دراہم بنائے جن میں چاندی دو تہائی رکھی، اور باقی دوسرا مادہ رکھا گیا، اور یہی دراہم مصر اور شام میں جو ایوبی دور میں رائج رہے۔ اسی طرح چین میں ایسے دراہم وجود میں آئے جن میں سے

چاندی اور باقی دوسرا مادّہ ہوتا تھا۔

فلوس کی تاریخ

کہا جاتا ہے کہ فلوس سے قبل لوگ گندم وغیرہ بطور ثمن استعمال کرتے تھے، اس کے بعد تانبے وغیرہ کے فلوس رائج ہوگئے، اس کے بعد ٹکسال (دار الضرب) میں باقاعدہ گول فلوس بنائے جانے لگے، لیکن ان فلوس کی حیثیت بہت گری ہوئی تھی، ان سے معمولی قسم کے معاملات انجام پایا کرتے تھے۔

مراجعت کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے عربی فلس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۷ھ میں "بزنطی" طرز پر بنوائے، یہ فلوس بلاد مصریہ میں پھیل گئے، ان فلوس پر عربی حروف میں ان کا نام بھی درج تھا۔

اس کے بعد ایسے فلوس بنائے گئے جن پر ڈھالے جانے کی تاریخ اور مقام کا نام بھی درج ہوتا تھا، ان فلوس میں قدیم ترین فلوس ۸۷ھ کے ہیں۔

ابوالفضل حنفی نے خراسان میں فلوس کو خوب رواج دیا، چنانچہ وہ فلوس کے بارے میں کہتے تھے:-

"هي فينا بمنزلة الفضة عندهم"

"یعنی فلوس ہمارے نزدیک فلوس کی حیثیت وہی ہے، جو ان کے ہاں چاندی کی ہے۔"

اس زمانے میں اسی طرح معاملات ہوتے رہے، اور یکے بعد دیگرے بادشاہ فلوس بناتے رہے، لیکن ۷۵۰ھ میں لوگوں کے پاس فلوس بہت زیادہ ہوگئے۔

تقریباً ۸۰۶ھ کے لگ بھگ امیر محمود نے قاہرہ میں فلوس ڈھالے تھے، اور درہم کو ختم کر دیا، اور فلوس ہی سونے اور دوسرے معاملات کا معیار قرار دیا گیا، اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس زمانے میں فلوس ہی نے اصل زر کی حیثیت اختیار کی۔

فلوس نے جب اصل زر کی حیثیت اختیار کی، تو ان کے اوزان اور ان کی تحدید بھی کی گئی، چنانچہ ۸۲۹ھ میں بادشاہ نے اعلان کیا کہ فلوس میں ہر رطل بارہ درہم کا برابر ہوگا، اس کے بعد اس کی قیمت زیادہ ہوگئی، اور اعلان کیا گیا کہ ہر رطل ۱۸ درہم کا ہوگا۔[1]

سکہ بنانے کا حق کس کو حاصل ہے؟

قانوناً تو یہ بات طے شدہ ہے کہ سکہ بنانے کا اختیار صرف حکومت کو حاصل ہے، عام الناس سکہ نہیں بنا سکتے، اور اس طرح کرنا بہت بڑا قانونی جرم سمجھا جاتا ہے، اور اس پر تعزیری سزا جاری ہوتی ہے، لیکن شرعاً آیا سکہ بنانے کا اختیار کسی فرد کو حاصل ہے؟ اس سلسلے میں جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شرعاً بھی سکہ بنانے کا اختیار صرف حکومت کو حاصل ہے، کسی فرد کو ہرگز یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ کسی ملک کا سکہ بنائے، خواہ وہ سکہ، سکۂ سلطانی کے موافق ہو یا اس سے مختلف ہو، اور اگر کسی نے اس طرح حرکت کی، تو یہ فساد فی الارض کے قبیل میں ہوگا، اور ایسا شخص مستحق تعزیر ہوگا، چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے سکہ سلطانی کے خلاف اپنے طور پر سکہ بنایا تھا، انہوں نے اس کو سزا دی، اس کو جیل میں ڈلوا دیا، اور اس کا سکہ جلا دیا۔

اسی طرح حضرت عبدالملک بن مروان نے ایک شخص کو گرفتار کروایا جس نے سکہ سلطانی کے خلاف سکہ بنایا تھا، انہوں نے اس کا ہاتھ کاٹنا چاہا، لیکن بعد میں اس کو معاف کیا، اور اس کو دوسری قسم کی سزا دی۔

ڈاکٹر عدنان ترکمانی کہتے ہیں:-

وكره ذلك الإمام مالك، وقال: إنه من الفساد ولو كان

---

(۱) النقود الائتمانية العمر (إبراهيم بن صالح العمر) بيروت، دار العاصمة ١٤١٢هـ، ص: ٢٥٢، ٥٣

ـــــــ السياسة النقدية والمصرفية، التركماني (الدكتور عدنان خالد التركماني) بيروت، مؤسسة الرسالة ١٤٠٩هـ (ص ٩٣)

وظائف کا خلاصہ ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ اس لئے بھی یہ بات واضح ہے کہ ماہرین معاشیات نے ان وظائف کو یہ قواعد و ضوابط قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور فقہائے کرام نے یہ قواعد و ضوابط کی تصریح کے ساتھ ان کو ذکر نہیں کیا ہے۔ بلکہ زکوٰۃ، ربا اور سود وغیرہ کے مسائل کے بیان کے ضمن میں ان کی جو عبارات مذکور ہیں ان سے یہ وظائف بآسانی اخذ کئے جا سکتے ہیں:

۱۔ آلۂ مبادلہ (Medium of Exchange)

زر کا اولین فرض یہ ہے کہ یہ آلۂ مبادلہ کا کام دیتا ہے۔ یعنی اشیاء اور خدمات کے خریدنے اور بیچنے کے وقت استعمال ہوتا ہے۔ اگر زر موجود نہ ہو تو ہر شخص کو ضرورت کی چیزیں حاصل کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی چیز دینی پڑے گی۔ یعنی شے کا براہ راست اشیاء کے ساتھ تبادلہ کرنا پڑے گا۔ جسے نظام مقایضہ (Barter) کہا جاتا ہے۔ اور اس میں کئی مشکلات پیش آتی ہیں۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ لیکن زر کی بدولت یہ دشواری ختم ہو گئی۔ اب ہر شخص اپنی چیزیں زر کے عوض فروخت کرتا ہے، اور زر کی مدد سے اپنی ضرورت کی اشیاء و خدمات خریدتا ہے۔ آلۂ مبادلہ کی حیثیت سے زر انسانی معاشرے کے لئے بہت ہی نافع اور مفید ہے۔ اور اس کے بہت فوائد ہیں۔ مثلاً صنعت کار خام مال اور مشینری خرید سکتے ہیں۔ مزدوروں کو اجرتیں ادا کر سکتے ہیں۔ زر کی مدد سے ہر چھوٹی موٹی چیز خریدی جا سکتی ہے۔

۲۔ معیار قدر (Standard of Value)

زر قدر کی پیمائش کے معیار کا کام دیتا ہے۔ جس طرح لمبائی کی پیمائش پیمانوں سے کی جاتی ہے۔ کپڑے کے طول و عرض کو گز سے ناپا جاتا ہے۔ اسی طرح چیزوں کی قدر و قیمت کو زر سے معین اور ناپا جاتا ہے۔ اس کی بدولت ہر شخص اپنی اشیاء کی قدر کا اندازہ کر سکتا ہے۔ مثلاً ایک پونڈ گوشت دو روپے کا ہے۔ کپڑا تین روپے گز ہے۔ کتاب دس روپے کی ہے وغیرہ۔

۳- ذخیرۂ قدر (Store of Value)

زر قدر کو جمع کرنے یا ذخیرہ کرنے کے کام آتا ہے، انسان کو دولت جمع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، تاکہ وہ آئندہ ضرورت پڑنے پر کام آسکے، یہ کام زر انجام دیتا ہے، کیونکہ کوئی اور شئی مثلاً گندم، بکریاں یہ کام انجام نہیں دے سکتیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اوّل تو یہ چیزیں ناپائیدار ہیں، اور دوم ان کی قیمت گھٹتی ہے، جبکہ زر کی قیمت عام حالات میں عام چیزوں کی طرح بدلتی نہیں رہتی، اور اس کے ضائع ہونے کا احتمال بھی کم ہوتا ہے۔

۴- آئندہ ادائیگیوں کا معیار (Standard of Deferred Payments)

انسانی معاشرے میں بعض ایسے باہمی معاملات ہوتے ہیں، جن کی ادائیگی ادھار ہوتی ہے، مثلاً قرض، ادھار خرید و فروخت یہ مقصد زر کی مدد سے پورا ہوجاتا ہے، کیونکہ زر کی قدر میں بڑی حد تک استحکام پایا جاتا ہے۔

پروفیسر منظور علی کہتے ہیں:

"غرض اگر زر نہ ہو تو انسان کو اشیاء پیدا کرنے اور تبادلہ کرنے کے لئے قدیم فرسودہ نظام کی جانب لوٹنا پڑے، اسی لئے یہ کہا جاتا ہے کہ انسانی تہذیب و تمدن کی ترقی میں حصہ ڈالنے والی ایجادوں میں "زر" ایک بہت بڑی ایجاد ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے انسانی تہذیب نے ترقی کے مرحلے تیزی سے طے کئے ہیں۔"(۱)

---

(۱) کتاب معاشیات حصہ دوم، ص ۱۰۲

ـــــــ احكام الأوراق النقدية للعثماني:

"وفيما يلي بعض تلك الوظائف:

۱- النقود وسيط للتبادل ـ ـ ـ

۲- النقود مقياس للقيمة ـ ـ ـ

۳- النقود مخزن للقيمة ـ ـ ـ

۴- النقود وسيلة للمدفوعات المؤجلة ـ ـ ـ ص ۱۱-۱۶

(باقی اگلے صفحے پر)

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ علمائے اسلام نے اس بارے میں کیا کہا ہے؟

علامہ ابن العربیؒ فرماتے ہیں:

"درہم و دنانیر کو توڑنا عظیم گناہ ہے، کیونکہ یہ اشیاء کی قیمتوں کو اندازہ کرنے کا ذریعہ ہے اور اموال کی مقدار کی پہچانے کا راستہ ہے، اور مبادلات میں استعمال ہوتے ہیں، یہاں تک کہ بعض نحو- نے ان کو مقادیر کے اختلاف یا مقادیر کے مجہول ہونے کے وقت اموال کے درمیان "قاضی" کہا ہے، (یعنی جب اموال کی مقداریں مختلف ہوں، یا مجہول ہوں، تو درہم یا دنانیر ہی ان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

... السياسة النقدية والمصرفية في الإسلام للدكتور كمالي:

"إن للنقود وظيفتين أساسيتين ووظيفتين ثانويتين:

الوظائف الأساسية للنقود . الوظيفة الأولى: النقود وسيط للتبادل ... الوظيفة الثانية: النقود كمعيار للقيمة. ـ الوظائف الثانوية للنقود. الوظيفة الأولى: ثبوت النقود في تنمية، الوظيفة الثانية: النقود مستودع للقيمة" ص ٣٤ـ

The Theory of Money and Credit by Ludwing Von Mises P.41Ch.I

Modren Economic Theory by Dewet

"Money performs five important functions:

1. It serves as a medium of exchange

2. It is used as a store of value

3. It is standard for measuring values

4. Money serves as a standard for deffered payments.

5. It transfers value "P.412

Introduction to Economic Principles

" Money performs four main functions

1 common medium of exchang

2- A common measure of value

3/ Store of value... ...

4/ A standard of deffered payments . "P315.

باب دوم

ربا (سود)

احکام زرعی میں سب سے اہم مسئلہ چونکہ "ربا" (Interest) کا ہے جیسا کہ آگے
ابواب سے ان شاء اللہ تعالیٰ معلوم ہو جائے گا اس لئے ضروری ہے کہ ربا کی تعریف اور
دیگر اس سے متعلقہ باتوں کو اس باب میں اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے۔

تعریف ربا

"ربا" لغوی معنی کے اعتبار سے زیادتی اور بڑھوتری کو کہتے ہیں، اور اصطلاحی
معنی کے اعتبار سے اس کا اطلاق دو قسموں پر ہوتا ہے:

ربا النسیئہ اور ربا الفضل

"ربا النسیئہ" کو ربا القرآن، ربا الجاہلیہ اور ربا القرض بھی کہتے ہیں، اور "ربا
الفضل" کو ربا الحدیث اور ربا البیع بھی کہتے ہیں۔

ربا النسیئہ کو ربا القرآن اس لئے کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی متعدد آیات نے اس
کو پوری صراحت سے ممنوع قرار دیا ہے جیسا کہ "ادلۂ حرمت" سے واضح ہو جائے گا، اور اس کو
ربا الجاہلیہ اس لئے کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں اس کا رواج تھا، اور اہل جاہلیت بھی اس کو
ربا ہی کہتے تھے، اور اسی کو ربا القرض اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا تعلق قرض سے ہے کیونکہ
نسیئہ کے معنی ادھار کے ہیں۔

"ربا الفضل" کو ربا الحدیث اس لئے کہتے ہیں کہ یہ صراحتاً قرآن سے

مال کی کوئی زیادتی متعین کرلی گئی ہو۔“

علامہ جصاص نے ”بالقرض“ کی قید لگا کر اس تعریف کو اس قسم کے ساتھ خاص کردیا، یعنی ربا النسیئہ کے ساتھ۔

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب علامہ جصاص کی اس تعریف کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

”وإن هذا التعريف يشمل سائر أنواع ربا النسيئة وكان هذا الربا محرما في سائر الأديان السماوية، وتوجد نصوص تحريمه حتى الآن في مجموعة الكتاب المقدس، وراجع سفر الخروج ٢٢: ٢٥ وسفر الأحبار ٢٥: ٣٥ وسفر التثنية ٢٣: ٢٠ من أسفار التوراة، وزبور داود عليه السلام ١٥: ٥، وسفر أمثال سليمان عليه السلام ٢٨: ٨ وسفر نحمياه ٥: ٧، وسفر حزقيل عليه السلام ١٨: ٨، ١٣، ١٧، ٢٢: ١٢“

”یہ تعریف ربا النسیئہ کی تمام اقسام کو شامل ہے، اور ربا کی یہ قسم تمام آسمانی ادیان میں حرام رہی ہے، چنانچہ اس کی حرمت کی نصوص ابھی تک کتب مقدس میں موجود ہیں، اس کے لئے ملاحظہ ہوں: خروج ۲۲: ۲۵، احبار ۲۵: ۳۵، استثناء ۲۳: ۲۰، مزامیر داؤدی ۱۵: ۵، سفر امثال سلیمان علیہ السلام ۲۸: ۸، سفر نحمیاہ ۵: ۷، اور اسفار حضرت حزقیل علیہ السلام ۱۸: ۸، ۱۳، ۱۷، ۲۲: ۱۲۔“(۱)

---

(۱) تکملہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم (جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی: مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴، طبع اول ۱۴۲۵ھ (۱/ ۵۶۰)۔

"ربا النسیئہ" کی تعریف پر مشتمل ایک مشہور حدیث کی تشریح و تحقیق

"کل قرض جر نفعا فهو ربا" رواه الحارث بن ابی اسامة فی مسنده عن علی رفعه

"حارث بن ابی اسامہ نے اپنے "مسند" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے، کہ جو قرض کچھ نفع کمائے، وہ ربا ہے۔"(۱)

اس حدیث شریف میں "قرضاً" کا لفظ موجود ہے، اس لئے اس کا تعلق ربا النسیئہ سے ہی ہے۔

اس روایت پر سندی حیثیت سے اگرچہ جرح ہوئی ہے، لیکن چونکہ دوسری روایات و آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے، اس لئے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے، اور محدثین کرام کے نزدیک صالح للعمل ہے، بلکہ امت کی طرف سے اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے، جیسا کہ مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب "مسئلہ سود"(۲) میں اس حدیث سے متعلق فرماتے ہیں:-

"یہ حدیث علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں نقل کی ہے، اور فیض القدیر شرح جامع صغیر میں اگرچہ اس کی سند پر جرح کی ہے، اسناد کو ضعیف بتلایا ہے، لیکن اس کی شرح سراج المنیر عزیزی نے اس کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں: قال الشیخ: حدیث حسن لغیرہ، یعنی یہ حدیث حسن لغیرہ ہے، کیونکہ دوسری روایات و آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے، بہرحال یہ روایت محدثین کے نزدیک صالح للعمل ہے۔"

---

(۱) کشف الخفاء، العجلونی (اسماعیل بن محمد العجلونی الجراحی م ۱۱۶۲ھ) بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، طبع سوم ۱۴۰۳ھ (۲/۱۶۳)

(۲) مسئلہ سود (ص ۱۵) ادارۃ المعارف کراچی طبع جدید ۱۳۹۹ھ۔

امام الحرمینؒ اور امام غزالیؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔[۱]

نیز یاد رکھنا چاہئے کہ جمہور فقہاء و محدثین نے اس حدیث کو ایک اصول کے طور پر قبول کیا ہے، اور فقہاء و محدثین کی یہ "تلقی بالقبول" اس بات کی بذاتِ خود ایک مستقل دلیل ہے کہ یہ اصول قرآن و سنت کے عین مطابق ہے، لہٰذا بعض عربی مصنفین اور علماء[۲] کا اس حدیث کو دیگر احادیث کا معارض قرار دینا یا اس کی صحت سے بالکل انکار کرنا درست نہیں۔

مذکورہ حدیث میں "منفعت" سے مراد ہر وہ منفعت مراد ہے، جو مشروط یا معروف ہو، کیونکہ معروف بھی بیشتر احکام شرعیہ میں مشروط کے حکم میں ہے، چنانچہ امام ابوبکر جصاصؒ وغیرہ نے جو تعریف بیان فرمائی ہے، اس میں "المشروط" کی قید اس لئے لگائی ہے، نیز منفعت عام ہے، خواہ مال کی شکل میں ہو، یا کسی اور شکل میں ہو، لہٰذا اب مذکورہ حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ "قرض کی وجہ سے جو بھی مشروط یا معروف نفع خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، حاصل ہو، وہ سود ہے، اور اس سے بچنا واجب ہے۔"

مذکورہ بالا تشریح و مطلب میں دو باتیں آ گئیں:۔

۱۔ حدیث میں نفع سے مراد مشروط یا معروف نفع ہے۔

۲۔ نفع عام ہے، خواہ کسی بھی شکل میں ہو۔

---

(۱) تلخیص الحبیر، العسقلانی (علامہ ابن حجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) الریاض، مکتبہ نزار مصطفی الباز، طبع اول ۱۴۱۷ھ (۹۲۴/۳)

"قال عمر بن بدر فی المغنی: لم یصح فیہ شئی، واما امام الحرمین فقال: انہ صحیح وتبعہ الغزالی۔"

——— فتح القدیر (۳۵۶/۶)

(۲) ان میں سے ڈاکٹر رفیق یونس مصری (الجامع فی اصول الربا)، شیخ صالح بن فوزان الفوزان (الفرق بین البیع والربا)، اور ڈاکٹر عبداللہ بن محمد بن حسن السعیدی (الربا فی المعاملات المصرفیۃ المعاصرۃ)۔

ربا الفضل

ربا الفضل سے مراد وہ اضافہ ہے جو چھ مخصوص اجناس کے باہمی تبادلے پر حاصل ہو۔

ربا الفضل کے ضمن میں حدیث مشہور ہے، جسے "اشیائے ستہ" والی حدیث کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں چھ چیزوں کا تذکرہ موجود ہے۔ اس حدیث کے الفاظ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں!

"الذهب بالذهب مثلا بمثل والفضة بالفضة مثلا بمثل، والتمر بالتمر مثلا بمثل والبر بالبر مثلا بمثل، والملح بالملح مثلا بمثل، والشعير بالشعير مثلا بمثل فمن زاد او ازداد فقد اربى، بيعوا الذهب بالفضة كيف شئتم يدا بيد، الحديث"[1]

"سونے کو سونے کے بدلے میں برابر سرابر بیچو، چاندی کو چاندی کے بدلے میں برابر سرابر بیچو، کھجور کو کھجور کے بدلے میں برابر سرابر بیچو، گندم کو گندم کے مقابلے میں برابر سرابر بیچو، نمک کو نمک کے بدلے میں برابر سرابر بیچو، جو کو جو کے بدلے میں برابر سرابر فروخت کرو لیکن جو شخص زیادہ لے گا یا زیادتی کرے، وہ ربا کا معاملہ کرے گا، البتہ سونے کو چاندی کے بدلے میں جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ دست بدست ہو، اور جو کو کھجور کے بدلے میں جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ دست بدست ہو۔"

یہ حدیث مختلف کتابوں[2] میں مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہے لیکن حاصل سب کا

---

(۱) ڈاکٹر [illegible]، تحقیق: محمد ناصر الدین [illegible]، [illegible] الحدیث [illegible]۔

(۲) مثلاً صحیح مسلم، القشیری، ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری، باب المساقاۃ
صحیح البخاری، البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری، باب المساقاۃ
سنن ابی داود، سجستانی، سلیمان بن الاشعث بن اسحاق السجستانی، البیوع

ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ مخصوص اجناس کے باہمی تبادلے کے وقت کسی ایک جانب اضافے سے آپ نے ممانعت فرمائی ہے۔

اس حدیث شریف میں صرف چھ چیزوں کا ذکر ہے، لیکن اس پر اتفاق ہے کہ ربا صرف ان چھ چیزوں کے تبادلے میں منحصر نہیں، بلکہ اور چیزیں بھی اس ممانعت میں آسکتی ہیں، اب یہ کس طرح معلوم ہوگا، اس کے لئے مجتہدین نے "تعلیل" کا سہارا لیا، یعنی اس حدیث میں سوچا گیا کہ ان چیزوں کے باہمی تبادلے میں اضافے کو کس علت کی بنیاد پر ممنوع قرار دیا ہے؟ چنانچہ ہر مجتہد نے اجتہاد کر کے اپنے اجتہاد کے مطابق علت نکالی، اور اس علت پر مزید احکام متفرع کئے، جس کی تفصیل کتب فقہ اور کتب اصول فقہ میں مذکور ہے۔

حرمتِ ربا کے دلائل کا خلاصہ

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ الآية[1]

"جو لوگ سود کھاتے ہیں، ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے، جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو، اور اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام الخ"

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ[2]

(۱) سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۵

(۲) سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۶

لیکن تمام تعریفات کا جو حاصل نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ علت غیر منصوص میں مدار حکم ہوتی ہے، اگر علت ہو تو حکم بھی موجود ہوگا اور اگر علت نہ ہو تو حکم بھی موجود نہیں ہوگا، البتہ علت منصوص میں مدار حکم نہیں ہوتی، وہاں منصوص میں حکم اس کی طرف مضاف ہوتا ہے، بلکہ یہاں حکم خود نص کی طرف مضاف ہوگا، لان النص اولی واقوی من العلة۔[1]

حکمت (Wisdom):- حکمت لغت میں مضبوطی اور استحکام کو کہتے ہیں، اور اصطلاح میں حکمت کی تعریف درج ذیل ہے:-

"حکمت اس مصلحت کو کہتے ہیں، جس کی وجہ سے کوئی حکم مشروع ہوا ہو، خواہ وہ مصلحت منفعت کے حصول کی شکل میں ہو، یا دفع ضرر کی شکل میں۔"[2]

یعنی شارع نے کسی کام کو کرنے کا حکم دیا ہے، یا کسی کام کرنے سے منع کیا ہے،

---

(۱) تسہیلات الاصول علی المنار للشامی، علامہ ابن عابدین الشامی، کراچی-- ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ طبع سوم ۱۴۰۹ھ

"ثم هو علم على الحكم في الفرع عند اكثر مشائخنا لان الحكم في الفرع مضاف اليه لا الحكم في الاصل عندهم" (ص ۲۱۱)

(۲) حكمة التشريع الاسلامي في تحريم الربا: دكتور يوسف حامد العالم، دار جامعة ام درمان الاسلاميه، طبعه اولى ۱۴۰۳ھ (ص ۴۰)

"ان الذي اتفق عليه من جمهور العلماء المسلمين ان الله سبحانه وتعالى ما شرع حكما الا لمصلحة عباده وان هذه المصلحة اما جلب نفع لهم واما دفع ضرر عنهم"

مباحث العلة في القياس عند الاصوليين، الدمشقي، عبد الحكيم عبد الرحمن

"فالجمهور يطلقها على ما يترتب على التشريع من جلب مصلحة او تكميلها او دفع مفسدة او تقليلها" (ص ۱۰۶)

The Historic Judgment on Interest by Justice Muhammad Taqi Usmani
" The Hikmah is the wisdom and the philosophy taken into account
By the legislator while framing the law. " P:80

"حکمت اس مصلحت و فلسفہ کو کہتے ہیں، جو مقنن قانون بناتے وقت پیش نظر رکھتا ہے۔"

اس میں پیشِ نظر یہ ہے کہ بندہ اس کام کو کرنے کی وجہ سے فلاں فائدہ حاصل کرے، یا فلاں نقصان سے بچ جائے، یا ممانعت کی صورت میں کام نہ کرنے کی وجہ سے فلاں فائدہ حاصل کرے، یا فلاں نقصان سے بچ جائے، یہ حکم کی حکمت ہے۔

فرق:- علت اور حکمت کی تعریف سے دونوں میں فرق کو ذرا واضح ہو گیا کہ علت مدارِ حکم ہے، لہٰذا شرعی احکام کا دار و مدار علت پر ہے، حکمت پر نہیں۔ کیونکہ حکمت بعض اوقات بالکل مخفی ہوتی ہے، اور بندوں کو اس پر بالکل اطلاع نہیں ہوتی۔ اب اگر حکمت پر حکم کا مدار ہو تو اس صورت میں حکم معطل ہو جائے گا، مثلاً:-

مسافر کے لئے "قصر" کا حکم ہے، اب اس حکم کی تشریع میں حکمت و مصلحت "مشقت" سے بچنا ہے، لیکن کہاں مشقت ہے، اور کہاں مشقت نہیں ہے، یہ فیصلہ بہت مشکل ہے، اس لئے مذکورہ حکم کے لئے علت "سفر" کو قرار دیا گیا، اب حکم کا مدار مشقت پر نہیں، بلکہ سفر شرعی پر ہے، سفر شرعی ہے، تو قصر کا حکم بھی ہے، سفر شرعی نہیں ہے، تو قصر کا حکم بھی نہیں ہے۔

حکمت اور علت میں فرق واضح کرنے کے لئے بعض علمائے کرام نے عام دنیوی قانون میں یہ مثال بیان فرمائی ہے، کہ مثلاً ٹریفک کا قانون ہے کہ جب سرخ بتی جل رہی ہو، تو سگنل پر گاڑی روکی جائے، اب "گاڑی روکنا" ایک حکم یا قانون ہے، اور سرخ بتی کا روشن ہونا اس کی علت ہے، اور یہ قانون کیوں بنا؟ اس کی مصلحت، حکمت اور فلسفہ حوادث سے بچاؤ ہے، لیکن یہ بات ہر ایک جانتا ہے کہ مذکورہ حکم کا مدار سرخ بتی ہے، اگر وہ روشن ہے، تو گاڑی روکنا لازم ہے، ورنہ نہیں، مذکورہ مصلحت اور حکمت اس کا مدار نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر دو بجے رات کو، جبکہ ٹریفک بند ہو، اور سرخ بتی جل رہی ہو تب بھی گاڑی روکنا لازم ہے، حالانکہ اس صورت میں حادثے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔[1]

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم شرح صحیح مسلم: عثمانی، جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی، ج ۱، ص ۵
کراچی، مکتبہ دار العلوم، طبع اول ۱۴۱۵ھ۔
Historic Judgement on Interest (By Justice Muhammad Taqi Usmani)

تنبیہ:- علت اور حکمت میں فرق بیان کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے، کہ اس زمانے میں سود جائز کرنے والے جو حیلے پیش کرتے ہیں، ان میں سے ایک حیلہ یہ بھی ہے کہ آج کل بینکوں سے سود پر جو قرضہ کاروبار کے لئے لیا جاتا ہے، یا بینک لوگوں سے جو قرضہ سود پر لیتا ہے، اس میں کسی فریق پر کوئی "ظلم" نہیں، بلکہ دونوں کا فائدہ ہے، اور سود کی ممانعت ظلم کی وجہ سے ہے، لہٰذا بینک کے اس قسم کا سود جائز ہوگا، اس کو ناجائز کہنا درست نہیں، ناجائز سود تو وہ ہے کہ ایک آدمی کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں، یا پہننے کے لئے کچھ نہیں، اور وہ کسی سے قرضہ لیتا ہے، تاکہ وہ اس سے اس ضرورت کو پورا کرے، تو قرض دہندہ اس کو کچھ اضافے کی شرط کے ساتھ قرضہ فراہم کرتا ہے، تو اس میں بلاشبہ ظلم ہے، اور یہ ناجائز ہے، لیکن کاروباری نوعیت کے قرضے میں ظلم تو دور کی بات ہے، بلکہ یہ تو عین انصاف ہے، کہ بینک سے قرضہ لے کر اس کو کسی کاروبار میں لگایا اور اس پر بینک کو نفع حاصل ہوا، اب اس نفع میں سے بینک نے کچھ حصہ اکاؤنٹ ہولڈر کو دے، اور کچھ خود رکھ لیا، دونوں کا فائدہ ہوگیا، تو اس کو ناجائز کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

حکمت اور علت میں فرق بیان کرنے سے بات صاف اور واضح ہو جاتی ہے، کہ حکم کا مدار علت پر ہے، علت موجود ہوگی تو حکم بھی موجود ہوگا، اور علت موجود نہیں ہوگی، تو حکم بھی موجود نہیں ہوگا، حکم کا مدار حکمت پر نہیں، ظلم ربا کی حکمت ہے، علت نہیں، لہٰذا کسی قرضے میں ظلم کے ہونے یا نہ ہونے پر ربا کا حکم لاگو نہیں ہوگا، بلکہ علت کو دیکھا جائے گا، اور اس پر حکم کا مدار ہوگا، جو بلاشبہ مذکورہ قرضوں میں موجود ہے، لہٰذا کاروباری قرضوں پر سود کا لین دین بھی حرام ہوگا۔

نیز ان قرضوں میں ظلم بھی ہے، جس کو علمائے امت نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی تحریرات میں ذکر کیا ہے۔[1]

---

(۱) مسئلہ سود

اس قول کے مطابق جب خلقی اور جوہری ثمنیت ربا الفضل کی علت قرار پائی تو ظاہر ہے کہ یہ علت ثمن خلقی ہی کے ساتھ محدود رہے گی، اور وہ صرف سونا چاندی ہیں، ان دونوں کے متعلقات نہیں، لہذا صرف سونا چاندی کے تبادلے میں ربا الفضل حرام ہوگا، فلوس وغیرہ میں ربا جاری ہی نہیں ہوگا۔

ان حضرات کے من جملہ دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سونے، چاندی کا سلم تمام اشیاء میں جائز ہے، حتی کہ موزونات میں بھی جائز ہے، اب اگر علت سونے اور چاندی میں "وزن" ہو تو سلم میں تو "تاجیل" ضروری ہوتی ہے، اب اس کا مطلب ہوگا کہ یہ موزونات کی موزونات کے ساتھ ادھار بیع ہے، حالانکہ جب جنس مختلف ہو، لیکن قدر ایک ہو تو یہاں زیادتی تو جائز ہوتی ہے، لیکن نساء (ادھار) ناجائز ہوتا ہے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ سونے چاندی کا سلم موزونات میں صحیح نہ ہو، حالانکہ اس کے جواز پر سب فقہائے کرام متفق ہیں، معلوم ہوا کہ سونے چاندی میں حرمت ربا کی علت وزن نہیں، بلکہ ثمنیت ہے۔(1)

تردید:- سونے چاندی میں حرمت ربا کی علت "ثمنیت غالبہ" قرار دینا "علت قاصرہ" ہے، یعنی یہ سونے اور چاندی تک منحصر رہتی ہے، اور اس میں تعدی کی صلاحیت نہیں، لہذا منصوص میں تو اس علت کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ منصوص میں حکم نص کی طرف مضاف ہوتا ہے نہ کہ علت کی طرف، اور فرع کی طرف یہ متعدی نہیں ہوتی، تو اس تعلیل کا فائدہ کیا؟(2)

(3)
۳- زر میں حرمت ربا کی علت "جنس + ثمنیت مطلقہ" ہے، یہ مالکیہ کا مذہب ہے، اور حنفیہ میں سے امام محمدؒ کا قول بھی ہے۔(4)

---

(1) مجموع فتاوی ابن تیمیہ (۲۹/ ۴۷۱)

(2) احکام الاوراق النقدیۃ والتجاریۃ للجعید (ستر بن ثواب) السعودیۃ، الطائف، مکتبۃ الصدیق، طبع اول ۱۴۱۳ھ، ص ۱۰۵)

(3) حوالہ بالا بحوالہ المدونۃ للامام مالک)

(4) بدائع الصنائع (۵/ ۱۹۲)

اس قول کے مطابق ربا الفضل کی علت جب مطلق ثمنیت ہے، تو فلوس اگر رائج ہوں، یا کوئی اور چیز بطور زر اور ثمن رائج ہو جائے تو اس میں بھی ربا الفضل جاری ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے ہاں فلس بفلسین کی بیع ناجائز ہے، اور یہ سودی معاملہ ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل اگلے صفحات میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔[1]

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جب فلوس اپنے وظیفے (Function) کے اعتبار سے دینار اور درہم کی طرح ہو گئے، یعنی جو وظائف درہم اور دینار کے ہیں، وہی وظائف فلوس کے بھی ہو گئے تو حکم ربا میں بھی فلوس درہم اور دینار کی طرح ہوں گے۔[2]

ربا النسیئہ کی علت

یہ ساری تفصیل ذریعہ "ربا الفضل" کی حرمت کی علت سے متعلق تھی، اور جہاں تک ذریعہ "ربا النسیئہ" کی حرمت کی علت کا تعلق ہے، تو وہ بالکل واضح ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے، کیونکہ قرض کے جس معاملے میں کچھ مشروط یا معروف اضافہ جو خالی عن العوض ہوگا پایا جائے تو وہ معاملہ ناجائز ہوگا۔

بلکہ یہ حقیقت میں یہی علت ربا الفضل کی بھی ہے، لیکن چونکہ وہاں احادیث موجود ہیں، جن میں ربا کو صرف چھ چیزوں میں ذکر کیا ہے، اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ آیا یہ حکم صرف ان چھ چیزوں میں منحصر ہے، یا کہیں اور بھی متعدی ہوگا، اسی وجہ سے علمائے امت کی ایک جماعت ایسی بھی ہے، جو ربا الفضل کو صرف انہی اشیاء میں منحصر کرا دیتی ہے، جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آرہی ہے، اور یہی وہ ربا ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے، اور ہمارے لئے ابواب ربا کو واضح نہیں فرمایا، لہذا علمائے امت نے ان احادیث میں غور و خوض کر کے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق اس حکم کی علت مستنبط کی، اور اس پر حکم کا مدار رکھا، جس کی تفصیل بیان ہوئی، لیکن "ربا النسیئہ" میں

---

(۱) احکام الأوراق النقدية، العثماني، (مفتي القاضي محمد تقي العثماني)، ص ۹۸

(۲) بدائع الصنائع (ج ۵، ص ۱۸۵)

"بنک نوٹ" ایک کرنسی نوٹ ہے، جس کے حامل کو مطالبے کے وقت اس نوٹ کی حقیقی قیمت دے دی جائے گی، اور یہ نوٹ بالکل اسی طریقے پر رائج ہوتا ہے، البتہ یہ نوٹ مضمون ہوتے ہیں، یعنی ان کے بدل کی ضمانت دی جاتی ہے، تاکہ لوگ اس ثمن دینے پر اعتماد کریں............[1]

یاد رہے کہ نوٹ، بنک نوٹ اور کاغذی زر (Paper Money) ایک ہی چیز ہے جس کو عربی میں "الاوراق النقدیۃ" یا "النقود الورقیۃ" یا "الانواط" کہتے ہیں۔

نوٹوں کی فقہی وشرعی حیثیت (ایک تفصیلی جائزہ)

کرنسی نوٹ کی فقہی تکییف (فقہی وصف کہ نوٹ فقہی احکام کے لحاظ سے کیا چیز ہے؟) میں مختلف نظریات رہے ہیں، اور اس سلسلے میں علماء وفقہاء کی آراء مختلف ہیں چنانچہ بعض کتابوں میں سات تک اقوال ذکر کئے گئے ہیں، لیکن ہم یہاں صرف ان اقوال کو ذکر کرنے پر اکتفاء کئے دیتے ہیں، جو زیادہ معروف اور مشہور ہیں، اور وہ چار ہیں:-

۱- نوٹ دَین (Debt) کی "سند" (Certificate) ہے۔

۲- نوٹ "سامان" (Goods) ہے۔

۳- نوٹ سونے اور چاندی کا "بدل" یا قائم مقام (Substitute) ہے۔

۴- نوٹ بذات خود "ثمن عرفی" (Customary Price) ہے، اور فلوس کے حکم میں ہے۔

ان اقوال کی تفصیل، دلائل کی تنقیح، تفریعات کی تشریح اور مناقشہ ذیل میں ملاحظہ ہوں:-

(۱) بحوالہ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص ۱۷)

۲- نوٹ کے ذریعے سونے یا چاندی کا معاملہ درست نہیں ہوگا، کیونکہ یہ بیع صرف ہوگی، اور بیع صرف میں دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے، حالانکہ یہاں نوٹوں پر قبضہ درحقیقت سونے یا چاندی کی رسید پر قبضہ ہے، اور سونا یا چاندی اُدھار ہے، تو عوضین پر قبضہ نہیں پایا گیا۔[1]

۳- فقیر کو محض نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں کی۔[2]

۴- نوٹوں کے ذریعے معاملہ "حوالہ" ہے، جو "تعاطی" (کسی خاص لفظ کے بغیر لین دین کرنا) کے طریقے سے درست ہے، یعنی زید عمرو کو نوٹ دے کر اس سے کتاب خریدتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ زید عمرو کو نوٹ دے کر گویا یہ کہہ رہا ہے کہ میرے ذمہ تمہارا جو دین ہے، اس کی یہ سند ہے، اور تم بجائے مجھ سے اس کے جاری کنندہ سے وصول کرو، اور یہی حوالہ ہے۔[3]

۵- نوٹ کا تبادلہ نوٹ سے درست نہیں ہوگا، اگرچہ مختلف الجنس ہوں، کیونکہ یہ بیع الکالی بالکالی (اُدھار کا اُدھار کے ساتھ بیع) ہے، جو ممنوع ہے۔

مناقشہ

اس موقف سے احکام شرعیہ اور مختلف معاملات (Transactions) میں جو مشقت اور حرج لازم آتا ہے، وہ بالکل ظاہر ہے، کیونکہ نوٹوں کے ذریعے مذکورہ بالا جیسے سارے معاملات معطل ہو جائیں گے، حالانکہ حرج شریعت میں بنصوص قرآن وسنت مدفوع اور مرفوع ہے، چنانچہ محقق عبدالرحمن السعدی صاحب اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

"لا یخفی ان جمیع الاقطار الیتما الا لنزر الیسیر کل معاملاتهم فی هذه الاوراق التی تسمی الانواط، فلو حکم

---

(۱) احکام الاوراق النقدیۃ للعثمانی (ص ۱۰)

(۲) امداد الفتاوی (۵/۳)

(۳) بهجة المشتاق بحواله احکام الاوراق النقدية للعثمانی

آج کل کے حالات میں اس کو اختیار نہیں کیا جا سکتا۔

نوٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق دوسرا نظریہ

نوٹ مال اور سامان (Goods) ہے، کیونکہ لین دین اور سارے معاملات نقش پر کاغذ ہی سے متعلق ہوتے ہیں، اور کاغذ مال متقوم (قیمت والا) ہے، جس کی قدر و قیمت عرف و رواج کی وجہ سے بڑھ گئی، جیسے ہیرے، جواہرات کافی قیمتی ہوتے ہیں، لیکن ان کی حیثیت مال اور سامان کی ہوتی ہے۔

ہندوستانی علمائے کرام میں علمائے رامپور اور جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی کی بھی یہی رائے ہے، اور یہی شیخ عبدالرحمن بن سعدی کے نزدیک راجح معلوم ہوتی ہے۔[۱]

احمد رضا خان صاحب بریلوی کا اس موضوع پر باقاعدہ رسالہ ہے، جس کا نام ہے "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام القرطاس و الدراہم" اس میں انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ نوٹ مال اور سامان ہے، سند یا دین یا خود ثمن نہیں، چنانچہ فرمایا:-

"اما اصله فمعلوم انه قطعة كاغذ والكاغذ مال متقوم وما زادته هذه السكة الا رغبة للناس اليه وزيادة في صونه او ادخاره للحاجات، وهذا معنى المال اي ما يميل اليه الطبع ويمكن ادخاره للحاجة الخ"

"اس کی (نوٹ) اصل تو معلوم ہے کہ وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے، اور کاغذ مال متقوم ہے، اور اس کے سکے ہونے نے اس کی طرف رغبتیں بڑھا دیں، اور بوقت حاجت کے لئے اٹھا رکھنے اور ذخیرہ

---

(۱) الفتاوی السعدیہ، ص ۳۲۷ تا ۳۲۹۔

کرنے کا زیادہ لائق ہو گیا، اور مال کے یہی معنی ہیں، کہ طبع اس کی طرف مائل ہو اور رغبت ہو، اور زمانۂ مستقبل کی ضرورتوں کے لئے اس کو ذخیرہ کیا جا سکے۔"[1]

دلائل

۱۔ عرض (سامان) کی جتنی تعریفات ہوئی ہیں، وہ سب کاغذی نوٹ پر صادق آتی ہیں، مثلاً:۔

"العرض ھو کل ما عدا العین والطعام من الاشیاء کلھا"

"سونے چاندی اور طعام کے علاوہ تمام اشیاء سامان میں داخل ہیں۔"

"ھو ما سوی النقد"

"جو نقد کے علاوہ ہو، وہ سامان ہے۔"

"ھو کل ما لا زکوۃ فی عینہ"

"سامان ہر وہ چیز ہے، جس کی ذات میں زکوٰۃ واجب نہ ہو۔"

"ھو ما عدا الحیوان والطعام والنقد"

"سامان حیوان، طعام اور نقد کے علاوہ ہر چیز کو کہتے ہیں۔"[2]

۲۔ جب نوٹ کے بدلے میں کوئی چیز خریدی جائے، تو عقد اسی نوٹ پر واقع سمجھا جاتا ہے، سونے یا چاندی پر واقع نہیں سمجھا جاتا، اور اسی نوٹ کی قیمت مقرر ہوتی ہے، تا کہ لوگ اس میں رغبت کا اظہار کریں، یہ نوٹ اپنی ذات کے اعتبار سے سونے چاندی

---

(۱) کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم، بریلوی، مولوی احمد رضا خان بریلوی، لاہور، شبیر برادرز، اردو بازار لاہور، ص ۱۳

(۲) شرح الصاوی: لشیخ محمد بن ابراہیم السیدان، بحوالہ احکام الاوراق النقدیۃ والتجاریۃ للجعید، ص ۹۹

ولان الربا مختص بالمكيلات والموزونات والورق ليس بمكيل ولا موزون۔"

"......نوٹوں کے تبادلے میں ربا کا کوئی حکم نہیں، کیونکہ نوٹ اموال ربویہ میں سے نہیں، اور اس لئے کہ ربا مخصوص ہے مکیلات اور موزونات کے ساتھ اور نوٹ نہ مکیل ہے، ورنہ موزون۔"(۱)

۲۔نوٹوں میں اگر تجارت کی نیت نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں۔(۲)

۳۔نوٹوں کے ذریعے مضاربت جائز نہیں، کیونکہ مضاربت میں مال کا درہم یا دینار ہونا ضروری ہے، یا نقود کا ہونا ضروری ہے، جبکہ نوٹ نقد نہیں، بلکہ عروض ہے۔

مناقشہ

پہلی بات تو یہ کہ نوٹوں میں اس موقف کے مطابق ربا الفضل بلکہ ربا النسیئہ جاری نہیں ہوگا، اور یہ بہت ہی خطرناک بات ہے، کیونکہ اس سے ربا کا دروازہ کھل جاتا ہے کہ اس موقف کے مطابق ربا نوٹوں میں اس لئے جاری نہیں ہوتا کہ نوٹ عروض ہیں، نہ مکیلات میں سے ہیں، اور نہ موزونات میں سے ہیں، اور نہ ان میں ثمنیت ہے، لہٰذا ربا الفضل کی کوئی علت بھی نوٹ میں موجود نہیں۔

موقف ثانی کی دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عروض کی تعریفات نوٹوں پر صادق آتی ہیں، حالانکہ یہ بات غلط ہے، کیونکہ یہ تعریفات فقہائے کرام نے خاص خاص مقامات کی مناسبت سے ذکر کی ہیں، یہ عام تعریفات نہیں، مثلاً زکوٰۃ کے باب میں زکوٰۃ حیوان کو ذکر کیا، زکوٰۃ ارض کو ذکر کیا، زکوٰۃ کے بعد نقود کو ذکر کیا، پھر عروض کی باری آئی تو تمام

---

(۱) جریدۃ البلاد السعودیۃ العدد [illegible] ھ

——— المعاملات المالیۃ المعاصرۃ فی الفقہ الاسلامی، الدکتور عثمان شبیر، بیروت: دار النفائس، طبع سوم ۱۴۱۹ھ

(۲) حوالہ بالا۔

نظریے کے قائل ہیں، اور ان کے نزدیک نوٹ ثمن ہے۔ لیکن اس پر احکام سونے چاندی کے لاگو ہوں گے، تو کرنسی نوٹ کے بارے میں ایک جگہ وہ فرماتے ہیں:-

"پس جیسے (فلوس) اگرچہ عرفاً ثمن ہیں، مگر عین ثمن خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں، بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ثمن خلقی ہے، گو ثمنیت خلقیہ نہیں، بلکہ ثمنیت عرفی ہو، پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نوٹ میں بھی جائز ہو۔ کیونکہ جیسے زر ثمن ہیں، حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی، گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے اس میں آئی ثمنیت کی صفت آگئی ہو، پس چونکہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا، باب تفاضل میں اسی بناء پر حکم دیا جائے گا، اور تفاضل اس میں حرام ہوگا۔"[1]

شیخ احمد البنا نوٹ کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:-

"فالذي اراه حقا وادين الله عليه ان حكم الورق المالي كحكم النقدين تماما سواء بسواء لانه يتعامل به كالنقدين تماما، ولان مالكه يمكنه صرفه في قضاء مصلحته في اي وقت شاء فمن ملك النصاب من الورق المالي ومكث عنده حولا كاملا وجبت عليه زكاة باعتبار الفضة الخ"

"جس کو میں حق سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ کاغذی نوٹ بالکل برابر سرابر سونا چاندی کے حکم میں ہے، کیونکہ نوٹ کے ذریعے سونا چاندی کی طرح معاملہ ہوتا ہے، اور نیز نوٹ کے مالک کے لئے ممکن ہے کہ وہ نوٹ

---

(۱) مجموعة الفتاوى، لكهنوى، مولانا عبد الحي، كراچي - ايچ ايم سعيد، پاكستان چوك (۲۰۰۲ء)-

سے اپنی ضرورت جس وقت چاہے، پوری کر سکتا ہے، لہٰذا جو نوٹ
میں سے نصاب کا مالک ہو، اور اس نصاب پر پورا سال گزر جائے تو
اس شخص پر چاندی کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔[۱]

اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کی اس سلسلے میں جو قرارداد ہے اس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

"وبعد الاطلاع على قرار المجمع رقم ٩ في الدورة الثالثة
بأن العملات الورقية نقود اعتبارية فيها صفة الثمنية كاملة،
ولها الأحكام الشرعية المقررة للذهب والفضة من حيث
أحكام الربا والزكاة والسلم وسائر أحكامهما."

"چونکہ کرنسی نوٹ اعتباری ثمن ہیں جن میں کامل ثمنیت ہے، سود، زکوٰۃ، بیع سلم
اور دیگر احکام جو سونے چاندی کے ہیں، وہ احکام نوٹ کے بھی
ہیں۔"[۲]

دلائل

۱- اس پر اتفاق ہے کہ نوٹ تمام معاملات میں سونے چاندی کا بدل ہے اور اس کا قائم مقام ہے، اور تمام معاملات میں نوٹ نے سونے چاندی کا مقام لیا، تو لامحالہ احکام میں بھی نوٹ سونے چاندی کی طرح ہوگا، خاص طور پر جبکہ مشہور اصولی قاعدہ ہے کہ: "البدل له حكم المبدل" یعنی بدل احکام میں مبدل کی طرح ہوگا، یہاں مبدل سونا اور چاندی ہے، اور بدل کاغذی نوٹ ہے۔

۲- احکام شرعیہ میں اعتبار معانی اور مقاصد کا ہے، معروف اصولی قاعدہ ہے:

---

(۱) الفقہ الربانی

(۲) مجلة مجمع الفقه الإسلامي، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث، ١٤٠٩هـ (ص ٢٢٦١)

"الامور بمقاصدھا" یعنی تمام امور کا دار و مدار مقاصد پر ہے، الفاظ اور ظاہری شکلوں پر نہیں، تو نوٹ کی وضع سے مقصد ثمنیت ہے، لہذا مقاصد کے اعتبار سے نوٹ سونے اور چاندی کی طرح ہوگا۔ (۱)

تفریعات

۱۔ نوٹ تمام احکام شرعیہ میں جب سونے چاندی کی طرح ہوگیا، اور سونے چاندی کا مقصود کو پہنچ حاصل ہوگیا تو نوٹ کے وہی احکام ہوں گے، جو سونے چاندی کے ہیں، اور وہ معروف ہیں، لہذا:-

الف:- نوٹ پر زکوۃ واجب ہوگی۔

ب:- نوٹ کے ذریعے زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

ج:- نوٹ میں ربا کی تمام اقسام جاری ہوں گی یعنی ربا الفضل، ربا النسیئہ اور ربا نسا، نوٹ میں حرام ہوں گے، لیکن اس نظریے کے اعتبار سے اس کا مطلب یہ ہے کہ دو نوٹوں کا تفاضلاً تبادلہ اس وقت ناجائز ہوگا جبکہ ان دونوں نوٹوں کا مبدل اور اصل سونا ہے، یا چاندی ہے، اس صورت میں چونکہ یہ دونوں نوٹ متحد الجنس ہوں گے، اس لئے ان کا تفاضلاً بیع درست نہ ہوگی، لیکن اگر دو نوٹ ایسے ہوں کہ ان میں سے ایک کا مبدل اور اصل سونا ہے اور دوسرے کا چاندی ہے، تو اس صورت میں ان دو نوٹوں کا تفاضلاً بیع درست ہوگی، کیونکہ یہ دونوں نوٹ مختلف الجنس ہیں، البتہ جانبین سے قبضہ جس کو "تقابض" کہتے ہیں ضروری ہوگا، کیونکہ یہ بیع صرف ہے، جس میں تقابض ضروری ہوتا ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل آگے مستقل بحث کی شکل میں آئے گی۔

د:- بیع صرف نیز شرائط کے ساتھ نوٹ میں جائز ہوگی۔

---

(۱) الاقتصادی الاسلامیہ ص ۲۲۳-۲۲۴۔

"فتبین بجمیع ذلك ان النوت كالفلوس النحاسية في جميع احكامها ظاهراً و باطناً (الحاق النقود بالحاق النوت بالفلوس ص ٣٨)

"ان تمام (دلائل) سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نوٹ ظاہراً و باطناً تمام احکام میں تانبے سے بنے ہوئے فلوس کی طرح ہے۔"(١)

شیخ عبداللہ بن بسام فرماتے ہیں:۔

"لانها ليست ذهبا ولا فضة وانما هي اثمان تتغير كما تتغير الفروش بالكساد والرواج وتغيير الحكومات...فان كان الورق بالفروش اشبه وبه اولى فلاحسن ان تلحق به وان تعطى حكمه وحكم الفروش معروف الخ (الورق النقدي ص ١٩)"(٢)

"کیونکہ یہ (نوٹ) سونا اور چاندی نہیں، یہ تو اثمان ہیں، جن میں "کساد، رواج" اور حکومتوں کے انقلابات سے اسی طرح تغیر واقع ہوتا ہے جس طرح نکل کے سکے بدلتے ہیں، پس اگر نوٹ نکل کے سکوں کے زیادہ مشابہ ہیں، اور ان کے زیادہ قریب ہیں، تو پھر بہتر یہی ہے کہ ان کو ان ہی کے ساتھ ملایا جائے، اور ان کو ان ہی کا حکم دیا جائے، اور نکل کے سکوں کا حکم معروف ہے۔"(٣)

سعودیہ عربیہ کے علمائے کبار کی مجلس نے نوٹوں کے سلسلے میں اکثریت کے ساتھ جو قرارداد منظور کی، وہ درج ذیل ہے:۔

---

(١) حوالہ بالا۔

(٢) بحوالہ: جدید فقہی مباحث لقاسمی جلد دوم۔

(٣) ایضاً۔

"ان الورق النقدي يعتبر نقداً قائماً بذاته كقيام النقدية في الذهب والفضة وغيرهما من الأثمان وانه أجناس تتعدد بتعدد جهات الإصدار بمعنى ان الورق النقدي السعودي جنس وان الورق النقدي الأمريكي جنس وهكذا كل عملة ورقية جنس مستقل بذاته الخ"

"نوٹ بذات خود زر ہے، جیسے کہ سونا چاندی اور دیگر اثمان ہیں، اور یہ کہ نوٹ کی جنس جاری کنندہ کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتی ہے، (یعنی دو نوٹ اس وقت مختلف جنس شمار ہوں گے، جب ہر نوٹ کا جاری کنندہ الگ الگ ہو) مطلب یہ کہ سعودی نوٹ (ریال) الگ جنس ہے، امریکی نوٹ (ڈالر) الگ جنس ہے، اور اسی طرح ہر کاغذی کرنسی مستقل جنس ہے۔"(۱)

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں:-

"فاتضح بما ذكرنا ان النقود الورقية لم تبق الآن سندات لديون في تخريجها الفقهي، وانما صارت اثماناً رمزية يعبر عنها الفقهاء بكلمة الفلوس النافقة، فان الفلوس النافقة تكون قيمتها الاسمية اضعاف قيمتها الذاتية فكذلك الأوراق النقدية تكون قيمتها الاسمية اضعاف قيمتها الذاتية وجرت بها التعامل العام فيما بين الناس دون ايما فرق بينها وبين الفلوس النافقة الخ"

"ہماری بحث سے یہ بات واضح ہوئی کہ کاغذی نوٹ اب دیون کی دستاویز نہ رہے، اب تو یہ علامتی اثمان بن گئے، جن سے فقہائے

(۱) ابحاث هيئة كبار العلماء بالمملكة العربية السعودية، طبع اول ۱۴۰۹ هجری، ص۔۔

نظریے والوں نے کیا ہے۔

۳۔ اور اس قول کی دلیل ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ نوٹوں کو سونے چاندی پر علت "ثمنیت" کی وجہ سے قیاس کیا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ سونا چاندی "ثمن ہونے" کی بناء پر "مقیس علیہ" ہے اور "ثمنیت" علت ہے۔

۴۔ اب ان ممالک میں جہاں شریعت کی پابندی کی جاتی ہے، اسی قول کو درست سمجھا جاتا ہے، اور اکثر مسلمان اسی کے مطابق اپنے معاملات چلاتے ہیں، بہت سارے مفتیان کرام نے اسی قول کے مطابق فتوے جاری کئے، اور بعض فقہی اکیڈمیوں سے اس کے موافق قراردادیں پاس ہوئی ہیں۔ اس صورت میں مختلف طریقوں سے اس قول کی ترجیح آ رہی ہے کہ:-

الف:- اکثر ممالک میں یہ قول درست سمجھا جاتا ہے۔

ب:- اکثر ممالک میں اسی کے مطابق تعامل جاری ہے۔

ج:- بہت سارے مفتیان کرام نے اسی قول کے مطابق فتوے جاری کئے۔

د:- بعض فقہی اکیڈمیوں سے اس کے موافق قراردادیں پاس ہوئی ہیں۔

دلائل

دلیل اول:- نوٹ قانونی کرنسی (Legal Tender) بنا دیا گیا ہے، اس صورت میں نوٹ قبول کرنے پر اسی طرح لوگوں کو مجبور کیا جاتا ہے جس طرح کہ دوسرے عرفی اثمان کو قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، حالانکہ اگر دیکھا جائے تو دوسری مالی دستاویزات کی قبولیت پر لوگوں کو مجبور نہیں کیا جاتا، مثلاً کسی نے دوسرے شخص کو قرضہ دیا یا کسی نے دوسرے شخص کے ہاتھ کوئی چیز بیچی، اور وہ مقروض یا خریدنے والا اس کو نوٹ دیتا ہے تو اس صورت میں اس کے لئے انکار کی کوئی گنجائش نہیں لیکن اگر وہ اس کو نوٹ کے بجائے ذاتی چیک دیتا ہے تو وہ چیک قبول کرنے سے انکار کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ کرنسی

کیونکہ اگر نوٹ کو عروض قرار دے کر اس میں ربا الفضل کو جائز قرار دیا جائے تو لوگ بیع کی بصورت بیع (Sale) کا روبار شروع کریں گے، اور ربا الفضل کا بازار گرم ہو جائے گا، کیونکہ ہمارے ہاں سونا چاندی تو ہے نہیں، یہی نوٹ سب کچھ ہے۔

دلیل ہفتم:- نوٹ کو سند دین یا عروض قرار دینے کی صورت میں لوگ معاملات کے سلسلے میں مختلف مشاکل اور مسائل میں واقع ہو جائیں گے، اور معاملات میں حرج و مشقت پیش آجائے گی، تفصیل گزر چکی ہے، اور حرج شریعت اسلامیہ میں مرفوع اور مدفوع ہے، جبکہ نوٹ کو بذات خود ثمن قرار دینے میں اس قسم کی کوئی خرابی نہیں، اور نہ ہی کوئی حرج ہے۔

دلیل ہشتم:- باب اول میں "زر" کی جو تعریف (Definition) بیان ہو چکی ہے، وہ مکمل طریقے سے نوٹ پر صادق ہے، لہذا نوٹ کو زر نہ کہنا خلاف انصاف ہے۔

دلیل نہم:- باب اول میں زر کے جو وظائف (Functions) بیان ہو چکے ہیں، زر وہ تمام وظائف بحسن وخوبی انجام دیتے ہیں، پھر کیوں نوٹ کو زر نہ کہا جائے؟[1]

نوٹ کی فقہی حیثیت میں قول راجح

انہی دلائل اور وجوہات کی بناء پر نوٹ کی شرعی حیثیت کے بارے میں راجح قول یہی ہے کہ:-

---

(۱) احکام الاوراق النقدیة والتجاریة فی الفقه الاسلامی للجمعدعی، ورق النقدی لابن منیع: ص ۶۷، ۶۸

______ مجلة البحوث الاسلامية، العدد الاول من المجلد الاول ص ۲۰۵

______ فقه الزكاة للقرضاوي (۱/ ۲۷۴)

______ المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الاسلامي

______ جدید فقهی مباحث

______ احکام الاوراق النقدیة للعثمانی

نوٹ بذات خود ثمن ہے، اس پر سونے چاندی کی طرح ثمن کے احکام جاری ہوں گے، بس اتنا فرق ہے کہ سونا چاندی ثمن خلقی ہے، اور نوٹ ثمن عرفی ہے۔ نوٹ نہ سند قرض ہے، نہ عروض ہے، اور نہ سونے چاندی کا بدل (Substitute) ہے۔

وجوہ ترجیح

وجوہ ترجیح اختصار کے ساتھ ذیل میں ملاحظہ ہوں:

۱- نوٹ پر زر کی ذکر کردہ تعریفات مکمل طور پر صادق آتی ہیں۔

۲- زر کے جو شرعی اور اقتصادی وظائف ہیں، وہ نوٹ بحسن وخوبی سرانجام دیتا ہے۔

۳- نوٹ کو زر اور بذات خود ثمن قرار دینے سے زکوٰۃ، بیع، مشارکہ، مضاربہ وغیرہ معاملات میں نہایت سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔

۴- نوٹ کو زر اور ثمن قرار دینے سے سود کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، اور شریعت کے اہم اصل "سد ذرائع" پر عمل ہو جاتا ہے۔

۵- نوٹ کی پشت پر سونا چاندی نہیں ہیں۔

۶- ہر علاقے اور ہر عرف میں نوٹ پر زر کا اطلاق ہوتا ہے۔

۷- نوٹوں کے ساتھ تعامل کے وقت کسی کا ذہن سونے یا چاندی کی طرف نہیں جاتا۔

۸- نوٹ کو قانونی طور پر کرنسی کا درجہ دیا گیا ہے۔

۹- نوٹ کے اجرا کا حق ہر کسی کو حاصل نہیں، بلکہ صرف مرکزی بنک ہی اس کا مجاز ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جمہور علماء امت نے اسی قول کو اختیار کیا، اور اسی کو ترجیح دی، اور احکام شرعیہ میں اسی قول کے مطابق فتاویٰ صادر کرتے ہیں، جیسا کہ تفصیل کے ساتھ

فائدہ

نوٹ سے متعلق مذکورہ چار نظریوں میں سے نظریہ سند اور نظریہ عروض بالکل الگ اور ممتاز ہیں، ایک دوسرے سے بھی ممتاز ہیں اور آخری دو نظریوں سے بھی ممتاز ہیں، البتہ آخری دو نظریے پہلے دو نظریوں سے تو ممتاز ہیں، لیکن باہم ملتے جلتے ہیں، جس کی وجہ سے اشتباہ (Confusion) میں واقع ہونے کا اندیشہ ہے، تو خوب سمجھنا چاہئے کہ یہ دونوں نظریے اس بات پر متفق ہیں کہ نوٹ سند دین یا عروض نہیں، بلکہ ثمن ہے، ثمنیت پر ان کا اتفاق ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ نظریہ سوم کی رُو سے نوٹ بذات خود ثمن نہیں، بلکہ سونے چاندی کا بدیل (Substitute) ہے، اس وجہ سے ہم اس کو ثمن کہتے ہیں، لہٰذا اس کے احکام اوّل سے آخر وہی ہوں گے جو سونے چاندی کے ہیں، یہاں تک کہ اس نظریہ کی رُو سے نوٹوں کا تبادلہ صرف ہو سکتا ہے، جبکہ نظریہ چہارم کی رُو سے نوٹ بذات خود ثمن ہے، یہ کسی شئ کا قائم مقام نہیں، البتہ ثمن ہونے کی وجہ سے اس کے احکام سونے چاندی کے ہوں گے، لیکن خلقت اور عرف کا فرق ہوگا، نوٹ ثمن عرفی ہے، اس لئے فلوس کی طرح ہوں گے، اور ان کا تبادلہ صرف نہیں ہوگا، اور سونا چاندی ثمن خلقی ہے، اس لئے ان میں صرف ہو سکتا ہے، اس لئے زکوٰۃ کے مسئلے کی تخریج میں بھی دونوں موقفوں میں فرق ہے، جس کی تفصیل گزر گئی۔

فلوس (Pices) کی حقیقت

فلوس "فلس" کی جمع ہے، فلس پیسہ کے معنی میں ہے، اسی سے "افلاس" اور "تفلیس" مشتق (Drived) ہے، افلاس کے معنی غربت کے ہیں، اور تفلیس کے معنی ہیں:
حاکم کا کسی کو مفلس قرار دینا۔[1]

اور اصطلاح میں فلوس تانبے کے ان ڈھلے ہوئے ٹکڑوں (Pieces) کو کہتے

---

(۱) لسان العرب، ابن المنظور متوفی ۷۱۱ھ، بیروت، دار احیاء التراث العربی، طبع اول ۱۴۰۸ھ (۱۰/۱۸۲)

فلوس میں رواج اور تداول اس حد تک بڑھ گیا کہ قریب تھا کہ دراہم کا وجود ہی ختم ہو جاتا، بعض روایات میں ہے کہ اس وقت کے امیر نے بہت بڑی تعداد میں فلوس ڈھالے، اور دراہم میں تعامل کو معطل کر دیا۔

فلوس میں تعامل وزناً بھی ہوتا تھا، اور عدداً بھی، بعد میں فلوس عددی اشیاء میں شمار ہونے لگے، چنانچہ احکام شرعیہ میں فلوس کا عددی ہونے کے لحاظ سے اعتبار ہے۔[1]

فلوس کے ثمن ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف فقہاء

زر کے استعمال اور اس کے اطلاق کے سلسلے میں زیر باب اول میں ہم نے فلوس کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا تھا، وہاں یہ بات واضح ہوئی تھی کہ بعض فقہائے کرام کے ہاں زر کے اطلاق کا دائرہ بہت وسیع ہے، اور ان کے ہاں زر یا ثمن کا اطلاق "فلوس" پر بھی ہوتا ہے، یہیں سے فلوس کے ثمن ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف فقہاء کا آغاز ہو جاتا ہے، کہ بعض حضرات فلوس کو ثمن اور زر کہتے ہیں، جبکہ دیگر حضرات فلوس کو زر یا ثمن نہیں کہتے، ہم یہاں قدرے تفصیل سے ان اقوال کو مع دلائل و تفریعات کے ذکر کرتے ہیں۔

فقہائے کرام کی عبارات کے تتبع اور استقراء سے اور ان پر غور کرنے سے اس سلسلے میں تین اقوال سامنے آتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:۔

۱۔ حضرات حنفیہ میں سے امام محمد، محمد بن الفضل، علامہ سرخسی، علامہ حلوانی، حضرات مالکیہ، علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم، ان حضرات کا قول یہ ہے کہ فلوس اثمان ہیں۔

۲۔ حضرات حنفیہ میں سے امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف کے ہاں فلوس کو ثمنیت لازم نہیں اور متعین کرنے سے متعین ہوتے ہیں، اور حضرات شافعیہ کا قول یہ ہے کہ فلوس اثمان نہیں۔

---

(۱) تطور النقود في ضوء الفكر الاسلامي، الحسني، الدكتور احمد حسن احمد الحسني، طبعة اول ۱۴۱۰ هـ، دار المدني۔

سے متعلق احناف کے اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں: ایک روایت یہ ہے کہ فلوس ثمن نہیں ہیں، یہ امام محمد بن الحسن سے منقول قول ہے، اور یہی فتویٰ کے باب میں راجح ہے، اور دوسری روایت شیخین حنفیہ کی ہے، اور وہ یہ کہ فلوس اثمان عرفی ہیں، گویا کہ حنفیہ ایک روایت میں فریق اول کے ساتھ ہیں، اور دوسری روایت کے مطابق فریق دوم کے ساتھ ہیں۔

فریق اول: امام محمد کا مذکورہ موقف ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے، جو ربا کے عمل تفاضل اور ربا سے متعلق میں فقہا نے کرنسی سے بیان کئے ہیں، مثلاً ربا (Interest) کے متعلق میں امام کا یہ قول ذکر کرتے ہیں:

"ويجوز بيع المعدودات المتقاربة من غير المطعومات بجنسها متفاضلاً عند ابي حنيفة وابي يوسف بعد ان يكون يداً بيد كبيع الفلس بالفلسين بأعيانهما، وعند محمد لا يجوز، وجه قوله، ان الفلوس اثمان فلا يجوز بيعها بجنسها متفاضلا كالدراهم والدنانير - ودلالة الوصف عبارة عما تقدر به مالية الاعيان ومالية الاعيان كما تقدر بالدراهم والدنانير تقدر بالفلوس فكانت اثمانا، ولهذا كانت اثمانا عند مقابلتها بخلاف جنسها، وعند مقابلتها بجنسها حالة المساواة، وان كانت ثمنا فالثمن لا يتعين وان عين كالدراهم والدنانير فالتحق التعيين فيهما بالعدم فكان بيع الفلس بالفلسين بغير اعيانهما، وذا لا يجوز، ولانها اذا كانت اثمانا فالواحد يقابل الواحد فبقي الآخر فضل مال لا يقابله عوض في عقد المعاوضة

وھذا تفسیر الربا الخ (١)

"کھانے جانے والی اشیاء کے علاوہ جو اشیاء "معدودات متقاربہ" میں سے ہوں، ان کی بیع تفاضلاً زیادت کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ ہاتھوں ہاتھ ہو، جیسے کہ ایک فلس کے مقابلے میں دو فلسوں کی بیع جائز ہے، جبکہ یہ دونوں متعین ہوں، اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ امام محمدؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ فلوس اثمان ہیں، لہٰذا دراہم اور دنانیر کی طرح ان کی بیع تفاضلاً زیادتی کے ساتھ جائز نہیں، اور وصف (ثمنیت) کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز سے اشیاء کی مالیت کا اندازہ کیا جاتا ہے، اور اشیاء کی مالیت کا اندازہ جس طرح دراہم اور دنانیر کے ساتھ کیا جاتا ہے، اسی طرح فلوس کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے، لہٰذا فلوس اثمان ہوں گے، اور یہی وجہ ہے کہ فلوس کا مقابلہ جب غیر جنس کے ساتھ ہو، یا جنس کے ساتھ ہو، لیکن دونوں طرف مساوی ہوں، تو فلوس کو اثمان قرار دیا جاتا ہے، اور جب جب فلوس

---

(١) بدائع الصنائع، الکاسانی (الامام العلامۃ علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی) کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، طبع اول ١٣٢٨ھ

مراجعہ: صفحہ

البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ابن نجیم (الشیخ العلامۃ زین الدین بن ابراھیم متوفی ٩٧٠ھ) بیروت، دار الکتب العلمیۃ، طبع اول ١٤١٨ھ (٢٠٩/٢)

فتح القدیر شرح الھدایۃ، ابن الھمام (کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الھمام) کوئٹہ، المکتبۃ الرشیدیۃ، کوئٹہ پاکستان۔ (٢٠٨/٦)

الفتاوی العالمگیریۃ، جماعۃ من العلماء الکبار، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، طبع دوم ١٤٠٢ھ (٢٢٣/٣)۔

فلس عرض سے خالی رہ گیا، اور یہی تو ربا کی تعریف اور تفسیر ہے، لہذا فلس کی بیع بفلسین ناجائز ہوگی۔

۷- البتہ بیع فلس بفلسین کی صورت میں چونکہ جنس ایک ہے، اس لئے علت قاصرہ کے تحقق کی وجہ سے "نساء" بالاتفاق ناجائز ہوگا۔

شرکت اور مضاربت کے بارے میں علامہ کاسانی فرماتے ہیں:-

"واما الفلوس فان كانت كاسدة فلا تجوز الشركة ولا المضاربة بها، لانها عروض، وان كانت نافقة فكذلك في الرواية المشهورة عن ابي حنيفة وابي يوسف وعند محمد تجوز- والكلام فيها مبني على اصل وهو ان الفلوس الرائجة ليست اثمانا على كل حال عند ابي حنيفة وابي يوسف لانها تتعين بالتعيين في الجملة وتصير مبيعا باصطلاح العاقدين، وعند محمد الثمنية لازمة للفلوس النافقة فكانت من الاثمان المطلقة، ولهذا ابى جواز بيع الواحد منهما باثنين، فتصير راس مال الشركة كسائر الاثمان المطلقة الخ"[1]

"فلوس اگر کھوٹے ہوں (یعنی رواج میں نہ ہوں)، تو ان میں شرکت اور مضاربت جائز نہیں، کیونکہ یہ عروض ہیں، اور اگر کھرے ہوں، (یعنی رواج میں ہوں) تبھی امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک ان میں شرکت جائز نہیں، اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے۔ فلوس میں یہ بحث ایک اور اصل پر مبنی (Based) ہے، اور وہ یہ کہ فلوس رائجہ ہر حال میں اثمان نہیں، کیونکہ یہ کسی نہ کسی درجے میں

(۱) بدائع الصنائع (۶/۵۹)

"ویجب ان یکون ذلک علی قول ابی حنیفة وابی یوسف۔۔۔ وعلی قول محمد لا یجوز"

"یہ ضروری ہے کہ یہ مسئلہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول پر مبنی ہو، اور امام محمدؒ کے قول کے مطابق یہ معاملہ درست نہیں۔"(۱)

چنانچہ علامہ کاسانیؒ سلم کے بارے میں صاف انداز میں لکھتے ہیں:۔

"واما السلم فی الفلوس عددا فجائز عند ابی حنیفة وابی یوسف وعند محمد لا یجوز بناء علی ان الفلوس اثمان عنده فلا یجوز السلم فیها کما لا یجوز السلم فی الدراهم والدنانیر وعندهما الخ"

"فلوس میں سلم عدد کے اعتبار سے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک درست ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں، اور وجہ یہ ہے کہ فلوس امام محمدؒ کے نزدیک اثمان ہیں، لہٰذا ان میں سلم ناجائز ہوگا، جیسا کہ دراہم اور دنانیر میں بیع سلم جائز نہیں ہے، اور ان کے نزدیک الخ"(۲)

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ ربا، مشارکت، مضاربت اور سلم کے ان ذکر کردہ مسائل سے یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آئی کہ فلوس امام محمدؒ کے نزدیک اثمان مطلقہ ہیں، اور وصف ثمنیت ان کو لازم ہے، اور حضرات شیخینؒ (یعنی امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ) کے نزدیک فلوس اثمان مطلقہ نہیں، وصف ثمنیت ان سے الگ ہو سکتی ہے۔

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) بدائع الصنائع (۵/۲۰۸)، کذا فی البحر الرائق (۶/۲۹۱) وفی الدر المختار مع رد المحتار (۵/۳۳۲)

قائل نہیں تو ان کے نزدیک مذکورہ معاملہ حلال ہے، اور جو مذہب کے قائل ہیں ان کے نزدیک مکروہ ہے۔ (۱)

"حضرت امام مالکؒ کی مشہور کتاب "المدونۃ" سے چند عبارات بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:-

"قلت: أرأيت ان اشتريت فلوسا بدراهم فافترقنا قبل ان نتقابض، قال: لا يصلح هذا في قول مالك، وهذا فاسد، قال لي مالك: لا خير فيها نظرة بالذهب ولا بالورق، ولو ان الناس اجازوا بينهم الجلود حتى تكون لها سكة وعين لكرهتها ان تباع بالذهب والورق نظرة۔ قلت: أرأيت ان اشتريت خاتم فضة او خاتم ذهب او تبر ذهب بفلوس فافترقنا قبل ان نتقابض أيجوز هذا في قول مالك؟ قال: لا يجوز فلس بفلسين... قال الليث بن سعد عن يحيى بن سعيد وربيعة انهما كرها الفلوس بالفلوس وبينهما فضل او نظرة وقالا: انها صارت سكة مثل سكة الدنانير والدراهم۔"

"میں نے کہا: آپ بتائیے کہ میں اگر درہم کے بدلے فلوس خریدوں اور پھر ہم قبضہ کے بغیر الگ ہو جائیں (تو کیا) فرمایا: یہ امام مالکؒ کے قول میں درست نہیں، اور یہ فاسد ہے، مجھے امام مالکؒ نے فرمایا: فلوس اگر سونے یا چاندی کے مقابلے میں ادھار ہوں تو ان

---

(۱) احكام الاوراق النقدية والتجارية لمحمد عن شرح التلقين للمازري في الفقه المالكي شرح التهذيب في الفقه المالكي المخطوطين بمركز البحث العلمي بجامعة ام القرى، ص (۲)

معاملے میں کوئی خیر نہیں، اور اگر لوگ کھالوں میں بھی تعامل شروع کریں، یہاں تک کہ یہ سکہ اور ذات بن جائیں تو میں ان کھالوں کا تبادلہ سونے چاندی کے ساتھ اُدھار مکروہ قرار دوں گا۔ میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ میں اگر فلوس کے بدلے چاندی یا سونے کی انگوٹھی خریدوں، اور پھر قبضہ کئے بغیر الگ ہوجائیں تو یہ امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے؟ فرمایا: یہ امام مالکؒ کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ امام مالکؒ نے فرمایا: فلس کا فلسین کے مقابلے میں معاملہ جائز نہیں ......لیث بن سعد یحییٰ بن سعید اور ربیعہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں فلوس کا فلوس کے مقابلے میں ایسے معاملے کو مکروہ فرماتے ہیں جس میں زیادتی یا اُدھار ہو، اور یہ فرمایا: کیونکہ یہ دنانیر اور دراہم کی طرح سکہ ہوگیا۔"(1)

"وقال مالك : أكره ذلك في الفلوس ولا أراه حراما كتحريم الدنانير والدراهم، قلت: أرأيت أن اشتريت فلسا بفلسين أيجوز هذا عند مالك؟ قال: لا يجوز فلس بفلسين۔"

"اور امام مالکؒ نے فرمایا: میں اس کو فلوس میں مکروہ سمجھتا ہوں، اور میں اس معاملے کو دنانیر اور دراہم کی حرمت کی طرح حرام نہیں سمجھتا ہوں، میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ امام مالکؒ کے نزدیک ایک فلس کی بیع دو فلسوں کے ساتھ جائز ہے؟ فرمایا: ایک فلس کی بیع دو

(1) المدونة الكبرى، الأصبحي (الامام مالك بن انس الأصبحي المتوفى ١٧٩ھ)، بيروت دار الكتب العلمية، طبع اول ١٤١٥ھ (٣/٥-٣)

فلسوں کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔"(۱)

علامہ ابن تیمیہؒ کا موقف

علامہ ابن تیمیہؒ بھی فریقِ اول میں داخل ہیں، جو فلوس کو اثمان کہتا ہے، چنانچہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:۔

"الاظهر المنع من ذلك فان الفلوس النافقة يغلب عليها حكم الاثمان وتجعل معيار اموال الناس۔"

"ظاہر منع ہی ہے کیونکہ فلوس نافقہ پر اثمان کا حکم غالب ہے اور فلوس کو لوگوں کے اموال کا معیار قرار دیا جاتا ہے۔"(۲)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"فاذا صارت الفلوس اثمانا صار فيها هذا المعنى، فلا يباع ثمن بثمن الى اجل۔"

"سو جب فلوس اثمان ہو گئے تو ان میں یہ معنی آ گئے، لہٰذا اب ثمن کو ثمن کے مقابلے میں ادھار نہیں بیچا جائے گا۔"(۳)

ان دونوں عبارتوں سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ فلوس علامہ ابن تیمیہؒ کے نزدیک اثمان ہی ہیں۔

علامہ ابن القیمؒ

علامہ ابن قیمؒ بھی ان حضرات میں سے ہیں جو فلوس کو ثمن قرار دیتے ہیں، چنانچہ اس سلسلے میں وہ فرماتے ہیں:۔

---

(۱) مرجع سابق، ص ۱۵۸

(۲) مجموعۃ الفتاویٰ لابن تیمیہ ۲۹/...

(۳) حوالہ بالا

"والثمن هو المعيار الذي به يعرف تقويم الأموال فيجب

ان يكون محدوداً مضبوطاً لا يرتفع ولا ينخفض الخ"

"ثمن وہ معیار ہے جس سے اموال کی قیمتیں معلوم کی جاتی ہوں،

لہٰذا ضروری ہے کہ ثمن کی کوئی تحدید ہو، اور وہ منضبط ہو، نہ اس میں

اتار چڑھاؤ ہوتا ہو۔" (۱)

"كما رأيت من فساد معاملاتهم والضرر اللاحق بهم حين

اتخذت الفلوس سلعة تعد للربح فعم الضرر وحصل

الظلم ولو جعلت ثمناً واحداً لا يزداد ولا ينقص بل تقوم

به الأشياء ولا تقوم هي بغيرها لصلح أمر الناس۔"

"جیسا کہ میں نے لوگوں کے معاملات کا فساد اور ان کو جو نقصان

پہنچ رہا ہے دیکھا، جب لوگوں نے فلوس کو سامان بنایا اور ان کو نفع کا

ذریعہ بنایا تو اس طریقے سے نقصان عام ہوگیا، اور ظلم سامنے آگیا،

اور اگر فلوس کو ثمن قرار دیا جاتا اور اس میں اتار چڑھاؤ نہ ہوتا، بلکہ ان سے

اشیاء کی قیمتوں کا اندازہ کیا جاتا، اور یہ خود کسی شی سے اندازہ نہ کیے

جاتے تو لوگوں کے معاملات درست ہوتے۔" (۲)

اس عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ علامہ ابن القیمؒ فلوس کو اثمان قرار دے رہے ہیں، اور ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ فلوس کو اثمان قرار نہ دینے سے لوگوں کو نقصان اور ضرر لاحق ہوگیا، اور ظلم عام ہوگیا، اور دوسری بات علامہ ابن القیمؒ کی عبارت سے معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے فلوس کو زر سمجھا، سامان نہیں، جیسا کہ شروع میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

---

(۱) اعلام الموقعین، ۲/۱۰۳

(۲) حوالہ بالا

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا موقف

فریقِ ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا موقف یہ ہے کہ فلوس کو ثمنیت لازم نہیں، اور فلوس متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں، لہٰذا جو احکام امام محمدؒ کے موقف پر متفرع ہوتے تھے، وہ احکام ان حضراتؒ کے موقف کے مطابق برعکس ہو جائیں گے، تفصیل اور حوالہ جات فریقِ اول کے بیان کے ضمن میں گزر گئے، اعادے کی ضرورت نہیں۔

امام شافعیؒ کا موقف

شافعیہ کے ہاں بھی فلوس اثمان نہیں، چنانچہ علامہ کوہجیؒ علتِ ربا کے ضمن میں فرماتے ہیں:-

"وعلة الربا في الذهب والفضة الثمنية وهي منتفية عن العروض والفلوس۔"

"ربا کی علت سونے اور چاندی میں ثمنیت ہے، اور یہ عروض اور فلوس میں نہیں پائی جاتی۔"(۱)

اور علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:-

"اذا راجت الفلوس رواج النقود لم يحرم الربا فيها، هذا هو الصحيح المنصوص وبه قطع المصنف والجمهور۔"

"جب فلوس میں ایسا تعامل جاری ہو جائے، جیسا کہ زر ثمن ہے، تو بھی ان میں ربا حرام نہیں ہوگا، یہی درست ہے، اسی کو مصنف نے جزم کے ساتھ بیان کیا، اور جمہور کا یہی موقف ہے۔"(۲)

---

(۱) زاد المحتاج شرح المنهاج، الكوهجي (الشيخ عبدالله بن الشيخ حسن الحسن الكوهجي) قطر، طبع اول ۱۴۰۲ھ (۳/۲۳)

(۲) المجموع شرح المهذب، النووي (الامام ابو زكريا محي الدين بن شرف النووي) بيروت، دار الفكر۔

اہم تنبیہ

عربی مصنفین نے اگرچہ یہ بات واضح انداز میں لکھی ہے کہ شافعیہ کے ہاں فلوس اثمان نہیں، اور علامہ کوہجی شافعی کی مذکورہ عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، لیکن حضرات شافعیہ کی فقہی عبارات پر جب غور کیا جاتا ہے تو ان عبارات سے فلوس میں مطلق ثمنیت کی نفی نہیں ہوتی، بلکہ "ثمنیت جوہریہ" یا "ثمنیت غالبہ" کی نفی ہوتی ہے کہ فلوس ثمن جوہری یا خلقی نہیں، اور ان کے ہاں چونکہ نقود میں علت حرمت ربا "ثمنیت جوہریہ" ہے، اور فلوس میں یہ علت نہیں پائی جاتی، اس لئے انہوں نے فلس بفلسین کی بیع کو جائز قرار دیا، تو جواز کی وجہ یہ نہیں کہ فلوس ثمن نہیں، بلکہ جواز کی وجہ یہ ہے کہ ثمنیت جوہریہ جو علت ہے، وہ فلوس میں نہیں پائی جاتی۔

حضرات شافعیہ کی فقہی عبارات سے ثمنیت جوہریہ کی نفی ہوتی ہے، یعنی مقید کی نفی ہے، اور مشہور قاعدہ ہے کہ جب مقید پر نفی داخل ہو، تو اس سے قید کی نفی ہوگی، نہ کہ ذاتِ مقید کی نفی، مثلاً جب یہ کہا جائے کہ میں نے زید کو بندھا ہوا نہیں مارا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مارا تو ہے لیکن اس وقت وہ بندھا ہوا نہیں تھا، تو اس سے نفی باندھنے کی ہوئی، نہ کہ مارنے کی، اسی طرح مذکورہ مسئلے میں نفی ثمنیت جوہریہ کی ہے، نہ کہ ثمنیت کی، اس لئے راقم الحروف کا خیال یہ ہے کہ فلوس شافعیہ کے ہاں بھی اثمان ہیں، لیکن اثمان جوہریہ نہ ہونے کی وجہ سے علت ربا نہیں اس لئے فلس بفلسین کی بیع جائز ہے، چنانچہ چند عبارات ملاحظہ ہوں:۔

"وقال الجمهور: العلة فيهما صلاحية الثمنية الغالبة، وإن شئت قلت: جوهرية الأثمان غالبا — وفي تعدي الحكم إلى الفلوس إذا راجت وجه، والصحيح أنه لا ربا فيها لانتفاء الثمنية الغالبة۔"

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور فقہاء و مجتہدین کے نزدیک فلوس اثمان ہیں، اور فلوس کی فلوس کے ساتھ خرید و فروخت کی شکل کے ساتھ تفاضل ناجائز اور حرام ہے۔

اس بارے میں قول راجح

فلوس کے ثمن ہونے یا نہ ہونے میں قول راجح یہی ہے کہ:

۱۔ فلوس ثمن ہیں۔

۲۔ تعیین سے متعین نہیں ہوتے۔

۳۔ کمی بیشی کے ساتھ ان کی بیع حرام ہے۔

۴۔ ان میں شرکت درست ہے۔

۵۔ ان میں مضاربت صحیح ہے۔

۶۔ فلوس میں عقد صرف صحیح ہے۔

وجہ ترجیح

اس قول کی ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ فلوس بطور ثمن رائج ہوتے اور چاندی کی طرح تعامل جاری ہے، اور سونے چاندی کے جو وظائف ہیں وہ فلوس بحسن وخوبی انجام دیتے ہیں، اور زر کی تعریف تمام فلوس پر صادق آتی ہے، لہٰذا فلوس کو ثمن کہا جاتا ہے، اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کرنا چاہئے جو نقود کے ساتھ ہوتا ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ جمہور امت فلوس کی ثمنیت کے قائل ہیں جن میں:

امام محمدؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، شمس الائمہ سرخسیؒ، شمس الائمہ الحلوانی، محمد بن الفضل، علامہ ابن تیمیہؒ، علامہ ابن قیمؒ اور اس زمانے کے تقریباً اکثر علماء شامل ہیں۔

❊❊❊

باب چہارم

بیع صرف

بیع صرف اور اس کی حقیقت

بیع صرف لغۃً

"صرف" کے لغوی کئی معانی ہیں:-

۱- نقل:- ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا۔

۲- پھیرنا:- فلاں نے اس سے اپنا منہ پھیر۔

۳- تخلیہ:- کسی کو چھوڑنا، مثلاً میں نے مزدور کو چھوڑ دیا۔

۴- انفاق:- خرچ کرنا، میں نے پیسے صرف کئے یعنی خرچ کئے۔

۵- فضل:- زیادت اور اضافہ۔

۶- توبہ۔

۷- زینت اور خوبصورتی۔

۸- شور مچانا اور آواز نکالنا۔

لغت کے اعتبار سے ان سب معانی کے لئے لفظ "صرف" استعمال ہوتا ہے، اور اسم فاعل اس سے "صیرفی"، "صیرف" اور "صراف" ہے۔

"عقد صرف" کو صرف اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں مقصود اضافہ ہوتا ہے، کیونکہ اس میں زر کا مقابلہ زر کے ساتھ ہوتا ہے، اور زر اجناس کی طرح بذات خود تو قابل

انتفاع ہے نہیں، جیسا کہ شروع میں اس کی تفصیل گزر چکی۔ بلکہ اس صورت میں اس سے مقصود تجارت اور ربح (نفع) ہے، جو زر کی ذات پر ایک اضافہ ہے، اور بعض حضرات نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ جب سونے یا چاندی کو بوقت بیع ترازو میں رکھی جاتی ہے تو اس سے ایک قسم کی آواز نکلتی ہے، اس لئے اس کو بیع صرف کہا گیا۔ واللہ اعلم۔(1)

بیع صرف اصطلاحاً

حضرات حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک "بیع صرف" کی تعریف درج ذیل ہے:-

---

(١) الدر المختار ورد المحتار: هو (الصرف) لغة الزيادة، وفي رد المحتار: (هو لغة الزيادة) هذا احد معانيه في المصباح: صرفته عن وجهه صرفا من باب ضرب، وصرفت الأجير والصبي: خليت سبيله، وصرفت المال: انفقته، وصرفت الذهب بالدراهم بعته، واسم الفاعل من هذا صيرفي وصيرف، وصراف للمبالغة، قال ابن الفارس: الصرف فضل الدرهم في الجودة على الدرهم وصرفت الكلام زينته (٤/٢٠٢)

ـــــ فتح القدير

"والزيادة وهذا العقد لا يقصد به الا الزيادة دون الانتفاع بعين البدل الآخر في الغالب لانه لا ينتفع بعينه بخلاف نحو الطعام والثوب والحمار، والمراد ان قصد كل من المتعاقدين التجارة والربح فيه بالنقل والا خلا العقد عن الفائدة والزيادة تسمى صرفا وبه سميت العبادة النافلة صرفا في قوله ﷺ: من انتمى الى غير ابيه لا يقبل الله منه صرفا ولا عدلا الخ" (٦/٢٥٩)

ـــــ كذا في البحر الرائق (٦/٣٢١)

ـــــ ومجمع الانهر في شرح ملتقى الابحر

الشيخي زاده، (العلامة عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المتوفى ١٠٧٨هـ) بيروت، دار الكتب العلمية، طبع اول ١٤١٩هـ (٣/١٩١)

ـــــ كشاف القناع

البهوتي، (العلامة منصور بن يونس المتوفى ١٠٥١هـ) السعودية العربية، مطبعة الحكومة بمكة ١٣٩٤هـ

"سميت بذلك لصريفهما وهو تصويتهما في الميزان" (٣/٢٥٣)

یہ جنس مختلف ہوں۔[1]

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:-

"والثانية لا يشترط الحلول والتقابض، فإن ذلك معتبر في جنس الذهب والفضة سواء كان ثمنا أو كان صرفا أو كان مكسورا بخلاف الفلوس ولأن الفلوس هي في الأصل من باب العروض والثمنية عارضة لها"

"اور دوسری روایت یہ ہے کہ حلول (Cash Payment) اور تقابض ضروری نہیں، کیونکہ یہ چیزیں جنس سونا اور چاندی میں معتبر ہیں خواہ وہ کسی قسم اور کسی شکل میں ہو بخلاف فلوس کے (کیونکہ وہ جنس سونا اور چاندی میں سے نہیں ہیں) اور اس لئے بھی کہ فلوس حقیقت میں سامان کے قبیل میں ہیں اور ثمنیت تو ان کو عارضی طور پر لاحق ہوتی ہے۔"[2]

یہ امام احمد کی دوسری روایت ہے۔ اس کا حاصل بھی وہی ہے کہ "صرف" کے لئے ثمن خلقی کا ہونا ضروری ہے۔

علامہ زحیلی فرماتے ہیں:-

"وشرعاً هو بيع النقد بالنقد جنسا بجنس أو بغير جنس، أي بيع الذهب بالذهب أو الفضة بالفضة أو الذهب بالفضة مصوغا أو نقداً."

"اور شریعت میں صرف نقد کے مقابلے میں نقد کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں خواہ جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ ہو یا غیر جنس کے ساتھ ہو یعنی

(1) ایضاً

(2) مجموعة الفتاوى ۲۹: ۴۵۸

ہیں، خواہ سکہ کی شکل میں ہوں دنانیر اور دراہم، جو "نقدین" کے ساتھ مشہور ہیں، اور یا زیور کی شکل میں ہوں، جیسا کہ بالیاں اور چوڑیاں ہیں، اور یا ڈلی کی شکل میں ہوں، اور شافعیہ اور حنابلہ نے ثمن سے "نقد" کے ساتھ تعبیر کی ہے، سو انہوں نے کہا کہ "صرف" "نقد" کے مقابلے میں نقد کی بیع کو کہتے ہیں، عوضین خواہ ہم جنس ہوں یا نہ ہوں، اور ان کے نزدیک بھی "نقد" سے مراد سونا چاندی ہی ہے، خواہ کسی بھی شکل میں ہو، اور تینوں مذاہب کا حکم ایک ہے، اور یہ کہ سونا اور چاندی کی خرید وفروخت جب جنس کے ساتھ ہو، مثلاً سونے کو سونے کے ساتھ یا چاندی کو چاندی کے ساتھ تو اس صورت میں حلول (ادھار نہ ہونا) تماثل (برابر ہونا) اور تقابض ضروری ہیں... ائمہ ثلاثہ کی صرف کی مذکورہ تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اس سونے اور چاندی میں منحصر ہے، جس میں کھوٹ غالب نہ ہو، لہٰذا اگر سونا یا چاندی جس میں کھوٹ غالب ہو، یا جانبین سے نقد فلوس رائجہ ہوں، تو اس عقد کو عقد صرف نہیں کہا جائے گا۔ (۱)

حاصل یہ کہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں عقد صرف کے لئے ثمن کا خلقی ہونا ضروری ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ کھوٹ کی صورت میں سونا چاندی غالب ہوں، نیز ان حضرات کے نزدیک اس عقد کو "صرف" یا "مصارفہ" یا "تصارف" کہتے ہیں، کوئی اور اصطلاح ان کے ہاں استعمال نہیں ہوتی، خواہ صرف کی کوئی بھی شکل ہو۔

البتہ مالکیہ کے ہاں اس سلسلے میں تین اصطلاحات رائج ہیں:-

مراطلہ، مبادلہ، صرف

(۱) تطور النقود (ص ۱۲۱، ۱۵۳۴)

مراطلہ :- سونے کو سونے کے ساتھ یا چاندی کو چاندی کے ساتھ تول کر بیچنے کو مراطلہ کہتے ہیں، خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، لہٰذا مراطلہ میں یہ ضروری ہے کہ جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ ہو۔

مبادلہ :- سکے کو سکے کے ساتھ عدداً فروخت کرنے کو "مبادلہ" کہتے ہیں، مثلاً روپیہ کا مقابلہ دینار کے یا درہم، درہم کے مقابلے میں، نیز اس میں یہ ضروری ہے کہ عوضین ہم جنس ہوں۔

صرف :- سونے کو چاندی یا چاندی کو سونے کے ساتھ خرید و فروخت کو "صرف" کہتے ہیں، سونا چاندی خواہ کسی بھی شکل میں ہوں، اور معاملہ خواہ وزناً ہو یا عدداً ہو۔
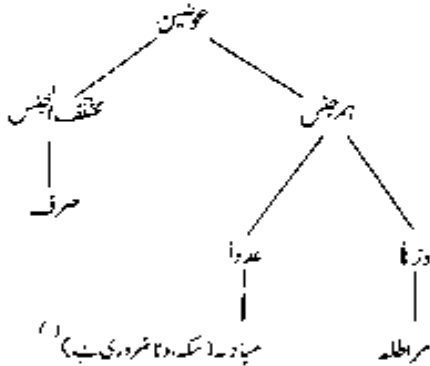
---

(۱) عقد الجواہر الثمینۃ، ابن شاس جلال الدین عبد اللہ بن نجم ابن شاس المتوفی ۶۱۶ھ، بیروت، دار الغرب الاسلامی، طبع اول ۱۴۱۵ھ
اس میں مصنفؒ نے صرف، مراطلہ اور مبادلہ کے احکام بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ (۲/ ۳۹۴ تا ۳۹۹)۔

_____ الشرح الصغیر علی اقرب المسالک الی مذہب الامام مالک، الدردیر (العلامۃ ابو البرکات احمد بن محمد بن احمد الدردیر)، مصر، دار المعارف (۳/ ۴۵ تا ۵۲)

(باقی اگلے صفحے پر)

"بیع صرف" اور اس کی شرطیں

بیع صرف کے شرعاً معتبر ہونے کی چار شرطیں ہیں، جن میں سے دو وجودی ہیں، یعنی ان کا پایا جانا ضروری ہے، اور دو عدمی ہیں یعنی ان کا نہ پایا جانا ضروری ہے، اور وہ چار شرائط درج ذیل ہیں:-

۱- تقابض ۲- تماثل یا مماثلت	وجودی
۳- خیار شرط ۴- اجل (تاجیل)	عدمی

حقیقت میں شرطیں دو ہی ہیں، یعنی تقابض اور تماثل۔ کیونکہ آخری دو شرطیں تقابض ہی پر متفرع ہیں، جیسا کہ تفصیل سے واضح ہو جائے گا۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

ــــــــ کتاب الکافی فی فقه اهل المدینة المالکی، القرطبی: ابو عمر یوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر النمری القرطبی، السعودیة، الریاض، مکتبة الریاض الحدیثة، طبع دوم ۱۴۰۰ھ (۲/۶۳۳)

ــــــــ تطور النقود فی ضوء الشریعة الاسلامیة:

"اما المالکیة فلهم اصطلاح آخر فی بیع الاثمان، ذلك انهم یقسمونها الی ثلاثة اقسام المراطلة والمبادلة والصرف. اما المراطلة فهی بیع الذهب بالذهب او الفضة بالفضة وزنا، سواء اکانا مسکوکین او مصوغین او تبرا، واما المبادلة، فهی بیع النقد المسکوك من الذهب او الفضة بجنسه عددا.

ــــــــ واما الصرف فهو بیع الذهب بالفضة او الفضة بالذهب او

احمد حسن، ... ص ۲۳۱

ان عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو تقسیم ان کے ساتھ متن میں ذکر ہوا ہے یعنی بیع اور بیع صرف اصطلاح کا فرق ہے، فقہائے مالکیہ کا مذہب حضرات ائمہ ثلاثہ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ صرف مراطلہ میں یہ حضرات تماثل کی شرط کی گنجائش دیتے ہیں، باقی تقابض وغیرہ کے احکام میں یہ ائمہ ثلاثہ کی طرح ہے۔

بلکہ اگر غور کیا جائے، تو بیع صرف معتبر ہونے کے لئے ایک ہی شرط ہے، اور وہ تماثل ہے، کیونکہ مماثلت یا تماثل کے معنی یہاں برابری کے ہیں، اور جب ایک جانب قبضہ پایا جائے، اور دوسری جانب قبضہ نہ پایا جائے، تو ظاہر ہے کہ ایک جانب جو جانب قبضہ ہے اس کو فضیلت حاصل ہوگی، تو مماثلت نہ رہی، جیسا کہ علامہ مرغینانی کی عبارت میں اس کی صراحت ہے:-

"ثم لا بد من قبض الآخر تحقيقا للمساواة فلا يتحقق الربا ولان احدهما ليس باولى من الآخر"

"پھر دوسری جانب قبضہ ضروری ہے تاکہ برابری ثابت ہو، اور ربا لازم نہ ہو، اور اس لئے بھی کہ ایک جانب دوسری جانب سے اولیٰ نہیں۔"(۱)

فائدہ

بیع صرف اور ربا کا باہم گہرا تعلق ہے، کیونکہ صرف بیع ہے، اس میں اتحادِ جنس کی صورت میں کسی ایک جانب زیادتی کی صورت میں ربا الفضل وجود میں آتا ہے، اور اُدھار یا کسی ایک جانب قبضہ نہ ہونے کی صورت میں ربا النساء لازم آتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں ربا اور صرف ایک ساتھ اور ایک ہی باب میں ذکر کرتے ہیں، بلکہ بعض اوقات "صرف" کا عنوان ان کے ہاں ہوتا ہی نہیں، ربا کا عنوان ہوتا ہے، اس میں صرف کے مسائل ذکر کرتے ہیں، گو حنفیہ کے ہاں دونوں کے لئے الگ الگ باب قائم کرتے ہیں۔

اب ہم مذکورہ شرائط کو ایک ایک کرکے قدرے تفصیل کے ساتھ یہاں ذکر کرتے ہیں:-

(۱) هداية مع فتح القدير ۱۳۶/۶

بدلے میں برابر سرابر بیچو، جو کو جو کے بدلے میں برابر سرابر فروخت کرو، لیکن جو شخص اضافے کا لین دین کرے، وہ ربا کا معاملہ کرے گا، البتہ سونے کو چاندی کے بدلے میں جس طرح چاہے فروخت کرو، بشرطیکہ دست بدست ہو، اور جو کو کھجور کے بدلے میں جس طرح چاہو فروخت کرو، بشرطیکہ دست بدست ہو۔"(۱)

"الذهب بالذهب وزنا بوزن مثلا بمثل والفضة بالفضة وزنا بوزن مثلا بمثل، فمن زاد أو استزاد فهو ربا"

"سونا سونے کے مقابلے برابر سرابر بیچو، اور چاندی چاندی کے مقابلے میں برابر سرابر بیچو، جس نے بڑھایا یا زیادہ لیا تو یہ ربا ہے۔"(۲)

عن ابن عمر ان عمر قال: لا تبيعوا الذهب بالذهب الا مثلا بمثل، ولا تبيعوا الورق بالذهب احدهما غائب والآخر ناجز"

"سونے کو سونے کے ساتھ برابر سرابر ہی بیچو، اور چاندی کو سونے کے ساتھ اس طرح مت بیچو کہ ایک حاضر ہو، اور دوسری چیز غائب ہو۔"(۳)

فائدہ: بیع صرف میں "تقابض" کے شرط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فریقین جب تک مجلس عقد نہ چھوڑیں، جسے عربی میں "الافتراق بالابدان" کہتے ہیں، اس کی صورت

---

(۱) کنز العمال، للمتقی علاء الدین علی المتقی الهندی: عدد الحدیث ۹۶۲۱۔

(۲) اخرجه مسلم، کتاب المساقاة، باب الربا۔

(۳) نصب الرایة، للزیلعی، للعلامة جمال الدین ابو محمد عبد الله الزیلعی الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ، لبنان، مؤسسة الریان، طبع اول ۱۴۱۸ھ، (۴/۶۱)

یہ ہوگی کہ مثلاً بیع صرف کا معاملہ ہوگیا، اور عوضین پر قبضے سے قبل ایک عاقد اس طرف نکل گیا، اور دوسرا عاقد دوسری طرف نکل گیا، یا ایک عاقد مجلس میں موجود ہے، اور دوسرا اٹھ کر چلا گیا، تو اس صورت میں یہ عقد شرعاً باطل ہے، لیکن اگر اسی مجلس میں دونوں موجود ہیں، خواہ مجلس جتنی بھی لمبی ہو جائے، یا دونوں اس میں سو جائیں، تو اس کو "افتراق" نہیں کہا جائے گا، اسی طرح اگر مجلس میں عقد ہوا، اور متعاقدین دونوں ایک ساتھ مجلس سے اٹھ گئے، اور ایک جانب میں ایک ساتھ نکلیں، تو اس صورت کو بھی افتراق نہیں کہا جائے گا، اور اس سے عقد باطل نہیں ہوگا، اگر اس کے بعد عوضین پر قبضہ پایا گیا تو صرف معتبر ہو جائے گا۔[1]

مذکورہ شرط کی اہمیت

بیع صرف میں "تقابض" کی شرط کی اہمیت حضرت عمر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی درج ذیل دو روایتوں سے معلوم ہوتی ہے:-

عن ابن عمر ان عمر قال: لا تبیعوا الذهب بالذهب الا مثلا بمثل ولا تبیعوا الورق بالذهب احدهما غائب والآخر ناجز وان استنظرك ان يلج بيته فلا تنظره الا يدا بيد هات وهذا انی اخشی علیکم الربا۔

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سونے کو سونے کے ساتھ مت بیچو مگر یہ کہ برابر سرابر ہو، اور چاندی کو سونے کے ساتھ مت بیچو جن میں سے ایک غائب ہو، اور دوسرا حاضر ہو، اور اگر وہ تم سے گھر

(۱) البحر الرائق:

"واما اشتراط القبض فالمراد التقابض قبل الافتراق بابدانهما بان يأخذ هذا في جهة وهذا في جهة، فلن مشيا ميلا او اكثر ولم يفارق احدهما صاحبه فليس بمفترقين" (۲۳۲/۶)

كذا في الفقه الاسلامي وادلته: "كذلك لا يحصل التفرق ان ناما في المجلس او اغمي عليهما او قاما عن المجلس لذهبا معا في جهة واحدة وطريق واحد الخ" (۶۳۴/۴)

میں داخل ہونے کی مہلت مانگے تو اس کو یہ مہلت مت دو، حتیٰ کہ
ہاتھ در ہاتھ دو، یہ دیا اور یہ لیا، مجھے آپ لوگوں کے بارے میں ربا کا
خوف ہے۔"(۱)

غور فرمائیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شرط تقابض کو بیع صرف میں کیا اہمیت دے رہے
ہیں کہ بیع صرف میں عوضین پر قبضے سے قبل گھر میں داخل ہونے کی بھی گنجائش نہیں ہے، اور
اس سے بھی زیادہ اہمیت پر دال حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انہ قال. وان وثب من سطحہ
فثب معہ"

"اور اگر وہ (احد العاقدین) چھت سے کود سے تو تم بھی اس کے
ساتھ ہی کود و (تاکہ مجلس ایک رہے)۔"(۲)

شرط تقابض پر متفرع چند اہم مسائل

بیع صرف کے معتبر ہونے کے لئے جب جانبین سے قبضہ ضروری ہوا تو اس پر
درج ذیل اہم مسائل متفرع ہوتے ہیں:۔

ابراء، ہبہ، صدقہ، استبدال، مقاصہ۔
تفصیل درج ذیل ہے:۔

ابراء، ہبہ اور صدقہ

ان تینوں کا حکم ایک ہے، مطلب یہ ہے کہ مثلاً زید اور عمرو کے درمیان ایک
دینار کے مقابلے میں ایک دینار کا معاملہ صرف ہوا، زید نے عمرو کو مجلس عقد میں اس کا دینار
حوالے کر دیا، تو زید بری الذمہ ہو گیا، لیکن عمرو نے ابھی تک زید کو اس کا دینار حوالے نہیں کیا

(۱) نصب الرایۃ (۵۶/۴) کذا فی فتح القدیر (۲۰۹/۶)

(۲) حوالہ بالا۔

۲۔ مقاصہ اختیاریہ (Voluntary)

مقاصہ جبریہ (Compulsoy)

مقاصہ جبریہ کا مطلب یہ ہے کہ عاقدین چاہیں یا نہ چاہیں خود بخود مقاصہ ہو جاتا ہے، مثلاً زید کے عمرو پر ایک سو دینار واجب ہیں۔ اب کسی معاملے میں عمرو کے زید کے پاس ایسے ہی ایک سو دینار آ گئے تو ان دونوں کے درمیان خود بخود مقاصہ ہو جائے گا، اور دونوں کا دین ساقط ہو جائے گا، زید اور عمرو اس پر راضی ہوں یا نہ ہوں۔ اب اگر دونوں دینوں کی مقدار ایک ہو تو ایک دوسرے سے مطالبہ بالکل ساقط ہو جائے گا، اور اگر دونوں مقدار میں برابر نہ ہوں تو کمی بیشی کو برابر کیا جائے گا۔

لیکن مقاصہ جبریہ میں ضروری ہے کہ:

۱۔ ہر شخص ایک دوسرے کی جہت سے دائن (Creditor) بھی ہو اور مدین (Debtor) بھی ہو۔

۲۔ دونوں دین جنس، نوع، صفت، اور کیفیت میں مماثل ہوں یعنی جنس ایک ہو مثلاً دونوں درہم ہوں، نوع ایک ہو مثلاً دونوں درہم ہوں، صفت اور کیفیت ایک ہو، مثلاً دونوں کھرے یا دونوں کھوٹے ہوں۔ مقاصہ میں کمیت (مقدار) کا ایک ہونا ضروری نہیں۔

مقاصہ اختیاریہ (Optionaly)

مقاصہ اختیاریہ جو صاحب حق کی باہمی رضامندی سے ہو، مثلاً زید کا عمرو کے ذمہ دس درہم جید ہیں، اور عمرو کا زید کے ذمہ ایک کھوٹا درہم ہے۔ اب دونوں اس بات پر راضی ہو گئے کہ ہم ان دونوں کا مقاصہ کرتے ہیں کہ زید اپنا حق چھوڑے اور عمرو اپنا حق چھوڑے تو یہ جائز ہے۔

جب یہ تمہید سمجھ میں آ گئی تو اب اصل مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ:

میں متناسب جبرے ہوگا۔[۱]

تماثل/مماثلت (Similarity)

تماثل یا مماثلت کے معنی "برابری" کے ہیں، بیع صرف میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب عوضین ہم جنس ہوں، مثلاً دینار کے مقابلے میں دینار یا درہم کے مقابلے میں درہم کی بیع ہو رہی ہو تو اس صورت میں کسی ایک جانب کی کمی کوئی زیادتی جائز نہیں، خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو اور اس سلسلے میں جید (عمدہ) اور ردی (گھٹیا) برابر ہیں، برتن کی شکل میں ہوں، زیور کی صورت میں ہوں، ڈلی کی شکل میں ہوں، یا سکہ کی شکل میں ہوں، کیونکہ اس سلسلے میں وارد احادیث مطلق ہیں، وہ اطلاق کی وجہ سے تمام صورتوں کو شامل ہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الذهب بالذهب والفضة بالفضة (إلى أن قال) مثلاً بمثل سواء بسواء يداً بيد فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد"

"سونا سونے کے مقابلے میں اور چاندی چاندی کے مقابلے میں .... برابر سرابر اور ہاتھوں ہاتھ بیچو، جب یہ قسمیں مختلف ہو جائیں تو پھر جس طرح مرضی ہو بیچو، لیکن اس صورت میں بھی ہاتھوں ہاتھ بیچنا ضروری ہے۔"[۲]

البتہ عوضین اگر ہم جنس نہ ہوں، تو اس صورت میں تماثل ضروری نہیں، مثلاً ایک جانب درہم ہے، اور دوسری جانب دینار ہے، تو اس صورت میں تفاضل (زیادتی) جائز

---

(۱) البحر الرائق [illegible]؛ فتح القدير [illegible]؛ الفقه الإسلامي وأدلته [illegible]

(۲) رواه البخاري في كتاب البيوع باب [illegible] ومسلم في كتاب المساقاة حديث [illegible] وأبوداود في كتاب البيوع باب [illegible] والترمذي في كتاب البيوع باب [illegible] وغيره۔

ہے، جیسا کہ حدیث مذکور میں اس کی صراحت ہے کہ جب اقسام مختلف ہوں تو جیسی مرضی ہو فروخت کیا کرو، البتہ تقابض اس صورت میں بھی ضروری ہوگا۔

اس شرط پر متفرع چند اہم مسائل

۱- ۲ درہم + دینار = ۲ دینار + درہم

یہ معاملہ ہمارا احناف کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ اس میں:

دو درہم = دو دینار، اور ایک دینار = ایک درہم

جنس مختلف ہونے کی وجہ سے اس میں کمی بیشی جائز ہے۔

۲- ۱۱ درہم = ۱۰ درہم + دینار

یہ عقد درست ہے، کیونکہ اس میں:-

۱۰ درہم = ۱۰ درہم اور درہم = دینار

دس درہم دس درہم کے مقابلے میں آکر مساوات ثابت ہوگئی اور ایک درہم ایک دینار کے مقابلے میں آیا، جس میں جنس مختلف ہونے کی وجہ سے مساوات ضروری نہیں۔

۳- ۱۰ درہم = ۹ درہم + دوسری کوئی چیز (یا)

۱۰ دینار = ۹ دینار + دوسری کوئی چیز

اس کی تین صورتیں ہیں:

۱- "دوسری چیز" کی قیمت ایک درہم (پہلی مثال میں) یا ایک دینار (دوسری مثال میں) کے برابر ہے۔

۲- "دوسری چیز" کی قیمت ایک درہم یا ایک دینار سے کم ہے۔

۳- "دوسری چیز" کی کوئی قیمت نہیں۔

پہلی صورت میں یہ عقد بلا کراہت جائز ہے، دوسری صورت میں کراہت کے

ساتھ جائز ہے، اور تیسری صورت میں یہ عقد درست ہی نہیں۔

اس دوسری صورت میں یہ حیلہ ممکن ہے کہ ایک جانب جو سونا یا چاندی زائد ہے، اس کو اس "دوسری چیز" کے مقابلے میں رکھ دیا جائے تو خلاف جنس ہونے کی وجہ سے کوئی کراہت نہ ہو، لیکن اس کے باوجود یہ صورت مکروہ قرار پائی کیونکہ اگر اس کی اجازت دی جائے تو لوگ اس کو ربا الفضل کے جواز کے لئے ایک حیلہ بنالیں گے، اور اس طرح ربا الفضل کا دروازہ کھل جائے گا، چنانچہ حضرت امام محمدؒ سے جب اس صورت کے بارے میں پوچھا گیا کہ:

كيف تجده في قلبك؟

"آپ دل میں یہ صورت کیسی پاتے ہیں؟"

تو انہوں نے فرمایا:

مثل الجبل----

"پہاڑ کی طرح" (۱)

خیارِ شرط (Optional Condition)

اس کو سمجھنے سے قبل خیار کی مشہور قسموں کا مختصر تعارف ضروری ہے، جو یاد رکھنا چاہئے کہ خیار کی تین مشہور قسمیں ہیں:

1. خیارِ شرط
2. خیارِ رؤیت
3. خیارِ عیب

خیار کی تعریف

خیار (Option) کی تعریف یوں کی گئی ہے:

---

(۱) الهداية مع فتح القدير [illegible]

حق العاقد فی فسخ العقد او امضائه لظهور مسوغ شرعی

او بمقتضی اتفاق عقدی۔"

"فسخ عقد یا تنفیذ عقد کا وہ حق جو عاقد کو اس وقت حاصل ہوتا ہے،

جب معاملے میں کوئی شرعی مجوز ظاہر ہو جائے، یا کسی ایسے معاہدے

کی وجہ سے جو عقد میں ہوا ہوتا ہے۔"[1]

خیارِ شرط

اس میں اضافت مسبب کی سبب کی طرف ہے۔ یعنی وہ خیار جو شرط کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ یعنی اگر یہ شرط نہ ہوتی تو یہ خیار بھی حاصل نہ ہوتا۔[2]

خیارِ شرط کی تعریف یہ کی گئی ہے:۔

"ان یشترط فی العقد او بعده الخیار لاحد المتعاقدین

او کلیهما فی فسخ العقد وامضائه۔"

"عقد میں یا بعد میں کسی ایک عاقد یا دونوں کے لئے فسخ عقد یا تنفیذ

عقد کی شرط لگائی جائے۔"

یعنی خیارِ شرط کا مطلب یہ ہے کہ عقد میں کسی ایک عاقد یا دونوں کا اس بات کا اختیار دیا جائے کہ اگر وہ چاہے یا چاہیں تو اس عقد کو تین دنوں میں فسخ کرے یا کریں، اور یا اس کو نافذ کرے یا کریں۔ اب اس شرط کی بنیاد پر جس کو اختیار حاصل ہو وہ مقررہ مدت کے اندر اس شرط کے مطابق اپنا اختیار استعمال کر سکتا ہے۔ چاہے تو اس عقد کو فسخ کرے، اور چاہے تو اس کو نافذ کرے۔ مثلاً زید عمرو سے کہتا ہے کہ میں تم سے یہ گھڑی خریدتا ہوں مگر مجھے تین دن کا اختیار رہے گا۔

---

(۱) الخیار والره فی العقود، ابو غدہ (الدکتور عبد الستار ابو غدہ)، الکویت، مطبعۃ مقهوی، حصہ دوم ۱۴۰۵ھ (۱/ ۴۳)

(۲) ایضاً (۱/ ۱۹۳)

خیارِ شرط کے لئے مدت مقرر کرنا ضروری ہے اور یہ مدت امام صاحب کے نزدیک زیادہ سے زیادہ تین دن ہیں۔ اور صاحبین کے نزدیک تین دن سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔(۱)

خیارِ رؤیت

اس میں بھی اضافت سببی ہے۔ یعنی وہ خیار جو رؤیت کی وجہ سے مشتری کو حاصل ہو، جبکہ عدم رؤیت کی وجہ سے حاصل ہو۔

خیارِ رؤیت کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"حق يثبت به للمتملك الفسخ او الامضاء عند رؤية محل المعين الذي عقد عليه ولم يره۔"

"وہ حق ہے جس کی وجہ سے مالک بننے والے کو فسخ یا تنفیذ کا اختیار حاصل ہوتا ہے، جب وہ اس معین محل کو دیکھا جائے جس پر عقد ہو چکا ہو اور اس کو دیکھا نہ ہو۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی نے جو چیز کو دیکھی ہو اور بن دیکھے اس کو خریدے، تو دیکھنے کے بعد مشتری کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو اس عقد کو باقی رکھے، اور چاہے تو اس عقد کو نافذ کرے۔

خیارِ عیب

یعنی وہ خیار جو عیب کی وجہ سے مشتری کو حاصل ہو۔(۲)

اور خیارِ عیب کی تعریف یہ ہے:

"ما ثبت بسبب نقص يخالف ما التزمه البائع عرفا في زمان ضمانه۔"

---

(۱) الہدایہ ۳/۱، ص ۱۴۳

(۲) فتح القدیر ۶/۲

چند اہم متفرق مسائل

۱- یہ قاعدہ ہے کہ جن اشیاء کی بیع میں تفاضل جائز ہوتا ہے، ان میں مجازفہ (تولے ماپے بغیر اندازہ سے) بھی جائز ہوگا، اور جن اشیاء میں تفاضل اور زیادتی جائز نہیں، ان میں مجازفہ بھی جائز نہیں، اور یہ قاعدہ چاروں مذاہب میں متفق علیہ ہے، لہذا سونے کی سونے کے ساتھ بیع یا چاندی کی چاندی کے ساتھ بیع یا گندم کی گندم کے ساتھ بیع مثلاً مجازفۃ حرام ہے، لیکن چاندی کی سونے کے ساتھ یا گندم کی جو کے ساتھ بیع مجازفۃ درست ہے۔

۲- اگر کسی نے مثلاً سونے کو سونے کے ساتھ مجازفۃ بیچا تو یہ ناجائز ہے، لیکن اگر پھر اسی مجلس میں دونوں کو تول لیا، اور دونوں برابر تھے تو استحساناً یہ عقد درست ہو جائے گا، اور اگر مجلس برخاست ہوگئی، اور اس کے بعد دونوں کو تولا اور دونوں برابر نکلیں تو اس صورت میں یہ عقد بدستور فاسد رہے گا۔

۳- تلوار کے مقابلے میں یہ ہے کہ کسی برتن کو بیچے کہ دوسرے برتن کے ساتھ مجازفۃ فروخت ہوا، تو اگر عرف و دستور عدداً فروخت کرنے کا ہو تو یہ عقد جائز ہے، کیونکہ "عددی ہونا" کسی کے نزدیک معیار ربا نہیں، اور اگر عرف وزناً بیچنے کا ہو تو اس صورت میں یہ عقد باطل ہے، کیونکہ وزن علت ربا ہے، تو اس میں مجازفت درست نہ ہوگی۔

۴- چاندی میں اگر کھوٹ شامل ہو، یا سونے میں کھوٹ شامل ہو، اور اس کو کسی اور دھات کے ساتھ فروخت کریں تو دیکھا جائے گا، اگر چاندی غالب ہے تو یہ خالص چاندی کے حکم میں ہے، اور اسی طرح سونا غالب ہو تو یہ خالص سونے کے حکم میں ہے، لہذا اسی طرح کھوٹ والی چاندی یا سونے کو اپنے ہم جنس کے ساتھ تفاضلاً فروخت کرنا درست نہ ہوگا، اور اگر کھوٹ غالب ہے تو اس کا حکم تمام دھات کا ہے، لہذا جس

دھات کے ساتھ اس کا مقابلہ ہو رہا ہے، اور اگر اس کا ہم جنس ہو تو اس عقد میں تفاضل جائز نہ ہوگا، ورنہ جائز ہوگا۔

یہ واضح رہے کہ ان مسائل میں "بِنا" غالب کے حکم میں ہے۔ یعنی اگر سونے یا چاندی میں سونا یا چاندی کھوٹ سے زیادہ ہو تب بھی یہ سمجھا جائے گا کہ یہ خالص چاندی یا خالص سونا ہے، اور اس پر وہی چاندی اور سونے کے احکام جاری ہوں گے۔

۵- جس تلوار پر چاندی چڑھائی گئی ہو، اس کو "سیف مُفَضَّض" کہا جاتا ہے اور جس تلوار پر سونے کا ملمع ہو، اس کو "سیف مُذَہَّب" کہا جاتا ہے، اس قسم کی تلوار کی بیع اگر سونے یا چاندی کے ساتھ ہو تو اگر تلوار میں لگا زیور ثمن والے زر کے جنس سے مختلف ہو، مثلاً سیف مفضض ہے، اور اس کی بیع سونے کے ساتھ ہوئی، یا سیف مذہب ہے اور اس کی بیع چاندی کے ساتھ ہوئی تو یہ بیع تو درست ہے، کیونکہ یہاں کمی بیشی جائز ہے۔ لیکن اگر ہم جنس کے ساتھ ہو، یعنی تلوار کے زیور اور ثمن والا زر ہم جنس ہیں تو اس صورت میں دیکھا جائے گا، اگر:-

۱- تلوار میں سونا اس سونے سے یا تلوار میں چاندی اس چاندی سے زیادہ ہے، جو ثمن ہے تو یہ بیع جائز ہے۔ یعنی ثمن کی مقدار تلوار والے سونے یا چاندی سے زیادہ ہے تو یہ معاملہ جائز ہے، یوں شکل بنے گی:-

تلوار کا سونا یا چاندی	=	ثمن کا سونا یا چاندی
بقیہ ثمن	=	تلوار کا لوہا وغیرہ

تلوار میں جتنا سونا یا چاندی ہے، ثمن میں سے اسی کی بقدر سونا یا چاندی اس سونے چاندی کے مقابلے میں ہو جائے گی، اور ثمن میں سے جو باقی زائد حصہ ہے، وہ تلوار کے لوہے وغیرہ کے مقابلے میں آجائے گا، جو مختلف جنس ہیں، تو اس طرح عقد درست ہوگا۔ اس سلسلے میں حضرات حنفیہ کا ایک مشہور قاعدہ ہے کہ:-

"بیع جب مختلف اشیاء پر مشتمل ہو، جن میں کوئی شئ ثمن کی ہم جنس

ہو، اور کوئی شئ ثمن کی ہم جنس نہ ہو تو اس صورت میں ثمن اپنے ہم
جنس کے ساتھ بٹے گا اور اس طرح بیع درست ہو جائے گی۔"

مثلاً سیف منقش میں پچاس درہم کی چاندی تھی، اور اسے سو درہم میں
خریدا گیا:

سیف + ۵۰ = ۱۰۰ درہم

اور مشتری نے ۱۰۰ درہم میں سے صرف ۵۰ درہم ادا کئے، اور پچاس درہم ابھی
ادا نہیں کئے تو یہ معاملہ جائز ہے، کیونکہ اس میں:

۵۰ = ۵۰ بیع صرف

بقیہ ۵۰ = تلوار کی بیع

صرف پچاس درہم تک یہ معاملہ صرف کا ہے، جس میں تقابض پایا گیا، لہٰذا یہ
معاملہ درست ہوا، اور تلوار کی حد تک یہ معاملہ بیع ہے جس میں قبضہ ضروری نہیں۔

۲۔ اسی سیف منقش کے مسئلے میں اگر پچاس درہم پر قبضہ نہیں پایا گیا تو ۵۰ =
۵۰ درہم کی حد تک چونکہ یہ معاملہ صرف کا ہے، لہٰذا عدم تقابض کی وجہ سے یہ معاملہ
باطل ہو گیا۔ لیکن دوسرا معاملہ جو تلوار کا ہے، اس معاملے میں درست ہے یا نہیں؟ تو اس
میں یہ تفصیل ہے کہ اگر:

الف: چاندی کو الگ کرنے سے تلوار کو بھی کچھ نقصان پہنچتا ہے تو تلوار میں
معاملہ بھی فاسد ہے، گویا اس صورت میں دونوں معاملے فاسد ہو گئے۔

ب: لیکن اگر چاندی تلوار سے بآسانی الگ ہو سکتی ہے تو اس صورت میں تلوار
کا معاملہ درست ہو گا، اور بائع تلوار سے اپنی چاندی الگ کر کے تلوار کو ۵۰ درہم کے بدلے
میں مشتری کے حوالہ کر دے گا۔

ج: لیکن اگر مذکورہ مسئلے میں ثمن کو ادا کرنے سے پہلے یا چاندی کے بدلہ یا اس
کے ہو تو اس صورت میں یہ عقد جائز نہ ہو گا، اور اس کا ناجائز ہونا بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ اس

"سونے کو سونے کے بدلے میں برابر سرابر بیچو، چاندی کو چاندی کے بدلے میں برابر سرابر بیچو، کھجور کو کھجور کے بدلے میں برابر سرابر بیچو، گندم کو گندم کے مقابلے میں برابر سرابر بیچو، نمک کو نمک کے بدلے میں برابر سرابر بیچو، جو کو جو کے بدلے میں برابر سرابر فروخت کرو، لیکن جو شخص اضافے کا لین دین کرے، وہ ربا کا معاملہ کرے گا، البتہ سونے کو چاندی کے بدلے میں جس طرح چاہے، فروخت کرو، بشرطیکہ دست بدست ہو، اور جو کو کھجور کے بدلے میں جس طرح چاہو فروخت کرو، بشرطیکہ دست بدست ہو۔"

مقدمہ ۴

جب سونے کا سونے سے یا چاندی کا چاندی سے تبادلہ کیا جائے تو مقدار کا برابر ہونا واجب ہے اگرچہ ایک طرف سونا یا چاندی خالص ہو اور دوسری طرف سونے چاندی میں کچھ کھوٹ ملا ہو۔

عن الشعبي ان عبدالله بن مسعود باع نفاية بيت المال زيوفا وقسيانا بدراهم دون وزنها فنهاه عمر عن ذلك وقال اوقد عليها حتى يذهب ما فيها من حديد او نحاس وتخلص ثم بع الفضة بوزنها۔

شعبی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیت المال کی ردی یعنی کم وزن یا کھوٹ ملے دراہم کو ان سے کم دراہم کے عوض کم تر وزن میں فروخت کیا تو حضرت عمرؓ نے انہیں اس سے منع کیا، اور فرمایا کہ اس کو آگ پر تپاؤ یہاں تک کہ اس میں ملا ہوا لوہا اور تانبا علیحدہ ہو جائے اور خالص چاندی رہ جائے، پھر اس کو برابر وزن

موجودہ دور میں روپے کا چاندی یا سونے کا تعلق نہیں ہے، اس لئے یہ فلوس یعنی تانبے کے سکوں کے حکم میں ہے، جب روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اس وقت اس سے متعلق احکام اور تھے، اور اب جب وہ تانبے، نکل کا ہے، اس کے احکام مختلف ہیں۔

مقدمہ ۳

سونے چاندی کے روپوں کے عوض ادھار خرید و فروخت جائز ہے، لیکن سودے کے وقت ایک جانب سے قبضہ ضروری ہے۔

"وفي شرح الطحاوي: لو اشترى مائة فلس بدرهم وقبض الفلوس او الدراهم ثم افترقا جاز البيع لا نهما افترقا عن عين بدين۔"

"اور شرح طحاوی میں ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم کے بدلے سو فلس خریدے، اور فلوس یا دراہم پر قبضہ کرلیا، اور پھر دونوں الگ الگ ہوگئے، تو بیع جائز ہے، کیونکہ اس میں دین کے بدلے عین کا سودا کرکے جدا ہوگئے۔"(۱)

"سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة فاجاب بانه يجوز اذا قبض احد البدلين لما في البزازية"

"علامہ حانوتیؒ سے فلوس کے بدلے سونے کو ادھار فروخت کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ جائز ہے، بشرطیکہ ایک بدل پر قبضہ ہو، کیونکہ بزازیہ میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص سو فلس ایک درہم کے بدلے خریدے، تو ایک جانب سے قبضہ کافی ہے، فرمایا: اسی طرح اگر فلوس کے بدلے چاندی یا سونے کو بیچا۔"

(۱) فتح القدیر ۱۶: ۲۲۸

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھار کے عوض بیع سے منع فرمایا ہے۔"[1]

سونے کے زیور کی سونے کے عوض اور چاندی کے زیور چاندی کے عوض خرید وفروخت

سونے کے زیور کی سونے کے عوض اور چاندی کے زیور چاندی کے عوض خرید وفروخت کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں۔

"عن ابی رافع قال مر بی عمر بن الخطاب ومعه ورق فقال اصنع لنا اوضاحا لصبی لنا، قلت: یا امیر المؤمنین عندی اوضاح معمولة فان شئت اخذت الورق واخذت الاوضاح فقال عمر مثلا بمثل، فقلت. نعم فوضع الورق فی كفة الميزان والاوضاح فی الكفة الاخرى فلما استوى الميزان اخذ باحدى يديه واعطى بالاخرى۔"

"ابو رافع کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ میرے پاس آئے، آپ کے پاس چاندی تھی، اور کہا کہ ہماری ایک بچی کے لئے پازیب بنادو، میں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! میرے پاس بنے ہوئے پازیب رکھے ہیں، آپ چاہیں تو چاندی مجھ سے لے لیتا ہوں، اور آپ پازیب لے لیں، حضرت عمرؓ نے پوچھا برابر وزن دینے میں تیار ہو، میں نے کہا جی ہاں، تو حضرت عمرؓ نے چاندی ترازو کے ایک پلڑے میں رکھی اور پازیب دوسرے میں، جب ترازو سیدھی

(۱) الدراية في تخريج احاديث الهداية للعسقلاني (شهاب الدين احمد بن علي بن محمد بن حجر العسقلاني المتوفى ۸۵۲ھ) المكتبة الاثرية شيخوپوره پنجاب (۱۵۷/۲)

کے ہوتے ہیں جن میں مادہ ہوتے ہیں، یہ زیورات عام طور پر بنانے والے دکانداروں کے
ہاتھ فروخت کرتے ہیں، ان کے لین دین کا مروجہ طریقہ یہ ہے کہ تمام زیورات کل وزن
کی بنیاد پر فروخت کئے جاتے ہیں۔

کل وزن کے بدلے خالص سونا لیا جاتا ہے، اور مزدوری بھی وزن کے حساب
سے مقرر ہوتی ہے، عام طور پر فروخت کرنے والے کو خالص سونا اور رقم حاصل ہوتی ہے،
اس کا تصور یہ ہے کہ کل وزن کے بدلے جو خالص سونا مل رہا ہے، وہ زیور میں موجود ملاوٹ
شدہ سونا اس کی بناوٹ اور نگینوں کی قیمت کے عوض ملتا ہے، اور نقد رقم مزدوری کے بدلے
مل رہی ہے۔ واضح رہے کہ مزدوری کی رقم کا تعین نگینوں کی عمدہ یا ناقص اقسام اور کام کی عمدہ
بناوٹ اور خوبصورتی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ تو کیا ملاوٹ شدہ سونے کے بدلے خالص سونا
لینا اور نگینوں کے بدلے خالص سونا لینا جائز ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے تو یہ بات معلوم کر لینا ضروری ہے کہ سنار اپنا زیور
دکاندار کے ہاتھ فروخت کر رہا ہے، دکاندار کے سونے کے دکاندار کا مطلوبہ عمل نہیں کر رہا،
لہٰذا مزدوری کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ حقیقت میں مزدوری نہیں ہے بلکہ زیور کی قیمت ثمن کا
ایک حصہ ہے۔

مثلاً پانچ تولے جڑاؤ زیور کے بدلے پانچ تولے سونا اور دو ہزار روپے مزدوری
کے نام پر ملے ہوئے ہوں تو درحقیقت پانچ تولے جڑاؤ زیور کی قیمت پانچ تولے خالص
سونا اور دو ہزار روپے ہوئی۔

اب اگر زیور جڑاؤ ہے اور نگینے جڑے ہوئے ہیں، اور اس میں ملاوٹ شدہ سونا
مثلاً تین تولے ہے، اور نگینوں کا وزن دو تولے ہو تو بشرطیکہ دونوں طرف لین دین نقد ہو، یا کم
از کم زیور کے ساتھ ساتھ اس میں موجود ملاوٹ شدہ سونے کے وزن کے مقابل خالص
سونے پر بھی قبضہ جدا ہونے سے پہلے ہو جائے تو یہ سودا درست ہے کیونکہ زیور میں موجود
ملاوٹ شدہ سونے کے مقابلے میں اتنی مقدار میں خالص سونا ہو جائے گا، اور نگینوں کے

مقابلے میں دو تولے خالص سونا اور دو ہزار روپے بن جائیں گے۔

لیکن اگر زیور سادہ ہو تو پھر یہ معاملہ ناجائز اور سودی ہو جائے گا، کیونکہ اس وقت پانچ تولے سادہ زیور کے مقابلے میں پانچ تولے خالص سونا اور دو ہزار روپے اداں گے، یہ دو ہزار روپے بلا بدل ہو کر سود بن جائیں گے۔

میناکاری والے زیورات کی سونے چاندی کے عوض خرید و فروخت

کچھ زیورات پر میناکاری کی جاتی ہے، مینا ایک خالص قسم کا رنگ دار شیشہ ہوتا ہے، جس کو باریک پیس کر سونے پر چپکا دیا جاتا ہے، اور نقش بوٹے بنائے جاتے ہیں، ان زیورات کے لین دین میں بھی پورے وزن کے بدلے سونا دیا جاتا ہے، یعنی میناکاری کا وزن کاٹ کر نہیں دیا جاتا، یہ صورت جائز ہے، بشرطیکہ دونوں طرف سے لین دین نقد ہو، ادھار نہ ہو، قیمت میں سے کم سے کم اتنی مقدار کے سونے پر قبضہ ضروری ہے جتنا کہ زیور میں کھوٹ ملا سونا موجود ہے۔

چند مزید مسائل

۱- دو تولے سونا اور ایک تولہ چاندی کو ایک تولہ سونا اور پچاس تولے چاندی کے عوض فروخت کرنا صحیح ہے، اور یوں سمجھیں گے کہ دو تولے سونا پچاس تولے چاندی کے عوض میں ایک تولہ چاندی ایک تولہ سونا کے عوض میں ہے، ایسا ہم اس وقت سمجھیں گے جب خرید و فروخت کرنے والوں نے اپنی زبان سے کچھ اور نہ کہا ہو، اور اگر انھوں نے کہا کہ دو تولے سونا ایک تولے سونے کے عوض میں اور ایک تولہ چاندی پچاس تولے چاندی کے عوض میں ہے تو اب ان کی تصریح کا اعتبار ہوگا، اور یہ معاملہ سودی ہو جائے گا۔ (سونا، چاندی اور ان کے زیورات کے اعلیٰ احکام، مفتی عبدالواحد، دارالافتاء جامعہ مدنیہ کریم پارک، لاہور، تاریخ اشاعت ۱۹۹۷ء)۔

۲- اپنی انگوٹھی کسی کی انگوٹھی سے بدل لی تو دیکھو:

۳۔ اگر کوئی ایسی چیز ہے کہ چاندی کے علاوہ اس میں کچھ اور بھی لگا ہے، مثلاً جوشن (بازوبند) کے اندر لاکھ بھری ہوتی ہے، اور نگینوں پر نگ جڑے ہیں، انگوٹھی پر نگینے رکھے ہیں یا جوشنوں میں لاکھ تو نہیں ہے لیکن تاگوں میں گندھے ہوئے ہیں، ان چیزوں کو چاندی کے عوض خریدا، تو دیکھو اس چیز میں کتنے وزن چاندی ہے، قیمت کی چاندی کے برابر ہے یا اس سے کم ہے یا زیادہ ہے، اگر قیمت کی چاندی سے اس چیز کی چاندی یقیناً کم ہو، تو یہ معاملہ جائز ہے، اور اگر برابر یا زیادہ ہو تو سود ہوا، سود سے بچنے کی ترکیب یہ ہے کہ قیمت کی چاندی زیور کی چاندی سے کم رکھو اور قیمت میں باقی روپے شامل کردو، مثلاً دونوں طرف پانچ پانچ تولے چاندی ہو، تو قیمت کی چاندی کو پانچ تولے سے کچھ کم کردو، مثلاً ساڑھے چار تولے کردو اور قیمت میں آدھا تولہ چاندی کے بدلے کچھ روپے مثلاً پچاس روپے ملالو تو یہ معاملہ جائز ہو جائے گا۔[1]

۴۔ اگر سونے یا چاندی کا زیور یا برتن سونے چاندی کے عوض خریدا، اور اس وقت قیمت دینے کے لئے نہیں ہے، یا ادھار کرنا مقصود ہے، تو اس کے جائز ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ فروخت کنندہ سے اتنا سونا یا چاندی قرض لے لو، اور اس قرض سے قیمت کی ادائیگی کردو، پھر قرض بعد میں اتاردو۔[2]

نیارا (زرگروں کی مٹی) کی خرید و فروخت کا مسئلہ

زرگروں کی مٹی جس میں سونے یا چاندی کے ذرات شامل ہوتے ہیں، نیاریے حضرات اس مٹی کو خرید کر اس میں سے سونا چاندی علیحدہ کر لیتے ہیں، اس سے متعلق چند اہم مسائل درج ذیل ہیں:۔

۱۔ روپوں کے عوض میں اس مٹی کی خرید و فروخت جائز ہے۔

۲۔ مخالف جنس کے عوض بھی خرید و فروخت ہر طرح سے جائز ہے، مثلاً سونے کی

(۱، ۲) بہشتی زیور اختری از مولانا اشرف علی تھانوی، دارالاشاعت آرام باغ (ص ۲۹۵)۔

صرف اتنا اہتمام کرنا پڑے گا کہ اپنے پاس نقدی کی ایک مقدار حاضر رکھنی پڑے گی لیکن یہ کوئی مشکل بات نہیں۔

اگر زیور کا زیور سے تبادلہ کرنا ہو تو مندرجہ ذیل چند اصول کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے :-

الف :- اگر دونوں طرف زیور سادہ ہو، اور دوکاندار کا زیور گاہک کے زیور کے وزن کے مساوی ہو، یا اس سے وزن میں کم ہو، اور دوکاندار مزید گاہک سے کچھ لینا چاہتا ہو، تو اپنے زیور کے ساتھ (Immitation) کی مثلاً بالیاں ساتھ کر دے۔

اور اگر دوکاندار کا زیور گاہک کے زیور سے زیادہ وزن کا ہے، تو دوکاندار گاہک سے زائد روپے بھی لے سکتا ہے۔

ب :- اگر زیور جڑاؤ ہو تو ہر طرح سے زیور کا زیور کے بدلے تبادلہ جائز ہوگا، اس وقت ایک طرف کا زائد سونا بمعہ روپے کے (اگر ہو) دوسرے کے نگینوں کی قیمت ہو جائے گی، یا دونوں طرف سے سمجھا جائے گا۔

ج :- اگر ایک طرف سادہ زیور ہو اور دوسری طرف جڑاؤ ہو، اور دوکاندار گاہک سے مزید لینا چاہتا ہو تو :-

۱- اگر جڑاؤ زیور دوکاندار کا ہو، اور سادہ زیور گاہک کا ہو تو خواہ گاہک کے زیور کا سونا دوکاندار کے زیور میں موجود سونے سے کم ہو یا زیادہ ہو، یا اس کے برابر ہو، ہر صورت میں زائد روپے لینا جائز ہے۔

۲- اگر سادہ زیور دوکاندار کا ہو، اور جڑاؤ گاہک کا ہو، تو اگر گاہک کے زیور میں سونا دوکاندار کے سونے سے کم ہو، تو دوکاندار گاہک سے روپے لے سکتا ہے، اور اس کے زیور میں موجود مساوی سونا ہو یا زائد ہو تو دوکاندار گاہک سے مزید روپے نہیں لے سکتا۔

پیشگی سودا لیکن لین دین بیک وقت

۱- آج سونے کا بھاؤ مثلاً دس ہزار روپے فی تولہ ہے، سودا ابھی کریں، مال تھوڑی

دیر بعد ملے گا، ادائیگی جس وقت مال ملے گا فوری ہوگی۔ ادائیگی کے وقت تک اکثر بھاؤ میں کمی بیشی ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں ادائیگی کے وقت جو بھاؤ ہے اس کے مطابق ادائیگی ہوگی یا طے شدہ بھاؤ سے ہوگی۔ اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ یہ طریقہ اگر بیع کے طریقے پر ہو تو ناجائز ہے، کیونکہ یہ دَین کے عوض دَین کی بیع ہے، جو ممنوع ہے۔ البتہ اگر اس کو وعدے کے طریقے پر کیا جائے تو صحیح ہو سکتا ہے۔ یعنی فریقین آپس میں یہ وعدہ کر لیں کہ فلاں دن ہم بیع کریں گے، اور پھر اس وقت حقیقی بیع کر لی جائے، جس قیمت کا آج وعدہ کیا ہے، بیع کرتے وقت اسی کا اعتبار ہوگا، ورنہ آپس کی رضامندی سے چاہیں، تو قیمت میں کمی بیشی بھی کر سکتے ہیں۔

۳- اس کے علاوہ مختلف طریقوں سے سودے کئے جاتے ہیں، مثلاً:-

الف:- یہ کہ سونے کا بھاؤ موجودہ بھاؤ سے دس روپے فی تولہ سے کم یا زیادہ لیا جائے گا، لیکن مال اگلے روز ملے گا، اور ادائیگی مال ملنے پر کلی کی جائے گی۔

ب:- سونے کا بھاؤ موجودہ بھاؤ سے ۲۵ روپے تولہ کم یا زیادہ ہوگا، لیکن مال سات دن کے اندر اندر فروخت کرنے والا جب چاہے خریدار کے حوالے کرے گا، اور ادائیگی اسی وقت کرنا ہوگی۔

ج:- سونے کا بھاؤ موجودہ بھاؤ سے مزید کچھ کم یا زیادہ لیا جائے گا، مگر شرط یہ ہے کہ سودا ابھی طے کر لیں، لیکن مال سات دن کے اندر اندر خریدنے والا جب چاہے منگوا سکتا ہے، ادائیگی مال ملنے پر فوراً ہوگی۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ تمام سودے زبانی ہوتے ہیں، اور کوئی وعدہ بھی تحریر نہیں ہوتا، مندرجہ بالا معاہدوں میں کسی ایک فریق کی طرف سے انکار کی صورت میں بھاؤ کا فرق طلب کیا جاتا ہے۔ سوال کے یہ تمام طریقے ناجائز ہیں، اور کسی ایک فریق کے انکار پر دوسرے کا اس سے بھاؤ کا فرق لینا سود ہے۔

ٹانکے کا مسئلہ

زیور بنانے کے لئے سونے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو جوڑ کر مختلف چیزیں تیار کی جاتی ہیں، جوڑنے کے لئے ٹانکا استعمال ہوتا ہے جو کہ ضروری ہے، ٹانکے کی تفصیل یہ ہے کہ وہ ایسا سونا یا ایسی دھات ہو جو زیور کے سونے سے پہلے پگھل جائے، اور دو ٹکڑوں کو آپس میں جوڑ دے۔

ٹانکہ بنانے کے لئے سونے میں مزید ملاوٹ کرنی پڑتی ہے جو زیورات کو جوڑنے کے بعد ان میں موجود رہتی ہے، کاریگر حضرات سے جب زیورات لئے جاتے ہیں، تو مکمل وزن کر کے لئے جاتے ہیں، اور ان کے بدلے پورا سونا دیا جاتا ہے، نظریہ یہ ہوتا ہے کہ ٹانکے کے بدلے کا سونا زیور بنانے کی قیمت کے طور پر دیا جاتا ہے۔

ٹانکے کی دوسری قسم بھی ہے، وہ کیڈمیم (Cadmium) ایک قسم کی دھات ہے جس کی تھوڑی سی مقدار سونے میں ملانے سے حسب ضرورت ٹانکہ حاصل ہو جاتا ہے، زیور بنانے کے لئے بہت سے لوگ مذکورہ ٹانکہ استعمال کرواتے ہیں، اور قیمت کی مد میں مقررہ شرح سے کاریگر کو اضافی سونا دیتے ہیں۔

ٹانکے کے بدلے خالص سونا لینا جائز ہے لیکن مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ کہ زیور اور ٹانکے کے بدلے خالص سونا اتنے ہی وزن کا لیا جاتا ہے، اور مزدوری اس کے علاوہ ہوتی ہے، چونکہ زرگر اور کاریگر کو اپنا سونا دے کر زیور خرید رہا ہے یعنی کاریگر کو زیور کے بدلے سونا دے رہا ہے، لہذا یہ زیور کی سونے کے عوض میں بیع ہے، جس میں برابری اور نقد اور نقد ہونا ضروری ہے، وہ وزن جب دونوں طرف کا برابر ہو گیا تو مزدوری کی بلا عوض قیمت کی، اور سود بن جائے گی، لہذا یہ سودا دونوں میں ہونا چاہئے ورنہ معاملہ سود کا ہو جائے گا اور سود کا گناہ ہوگا۔

اگر بغیر ٹانکہ لگائے زیور تیار ہو سکتا ہے پھر بھی کوئی اپنے فائدے کے لئے

ہم نے اس مسئلے پر خاصا غور کیا، تو معلوم ہوا کہ کھوٹ کا مسئلہ بذات خود کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے، اس مسئلے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:۔

پہلی صورت

کاریگر نے اپنے سونے سے زیور بنایا اور دکاندار کے ہاتھ فروخت کیا، پھر یا تو کل روپوں کے عوض میں فروخت کیا، یا اس کے عوض سونا لیا۔

سونے کے عوض فروخت کرنا

کاریگر نے مثلاً تین تولے زیور بنایا، تقریباً تین ماشے کھوٹ ہوئی، تو کاریگر یہ تین تولے تین ماشے کا پورا مزدوری کے دو سو روپے فی تولہ ہوئے، سونا پانچ ہزار روپے تولہ ہو تو کل لاگت ۱۶۸۵۰ روپے ہوئی، کاریگر ریٹ بتاتے ہوئے دکاندار کو کھوٹ کی شرح بتا بھی دے، تو دیانت داری کو ملحوظ رکھتے ہوئے بتانے میں کچھ حرج نہیں ہے، البتہ زیور کا سودا کل ۱۶۸۵۰ روپے کے عوض ہو، یوں تفصیل کے ساتھ نہ بتائے کہ تین تولے سونے کے ۱۵۰۰۰ روپے اور کھوٹ کے تین ماشے کے ۱۲۵۰ روپے اور مزدوری کے ۶۰۰ روپے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کھوٹ فی الواقع تین ماشے سے کم ہو اور یوں کاریگر غلط بیانی کا مرتکب ہو جائے۔

اگر ایسا زیور ہو جس میں کھوٹ نہیں ہوتی مگر دی جاتی ہے تو اس صورت میں بھی تین تولے کے زیور کی قیمت ۱۶۸۵۰ روپے بتائی جائے، ریٹ بتاتے ہوئے تفصیل کو ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن جب دکاندار کاریگر کو کہتا ہے کہ یہ زیور مجھے دے دو، تو اس وقت سودا ۱۶۸۵۰ روپے میں ہونا طے پائے، بہتر ہے کہ دکاندار یوں کہہ دے کہ میں نے ۱۶۸۵۰ روپے میں خریدا یا کاریگر یوں کہے کہ میں نے تمہارے ہاتھ ۱۶۸۵۰ روپے میں فروخت کیا، یا یہ کہ میں نے تمہیں ۱۶۸۵۰ روپے میں دیا۔

اگر زیور میں کھوٹ ہوتی ہے مگر کھوٹ نہیں دی جاتی، تو اس صورت میں کل

دوسری صورت

تیسری صورت

ٹھیجت کاریگر کو ہبہ کر دے۔

دکاندار جب آگے گاہک کو زیور فروخت کرتا ہے، تو وہ بھی تفصیل میں بتاتے ہوئے پالش یا ٹھیجت اور مزدوری ذکر کرتا ہے، اور دکاندار نے کاریگر کو ایک تولے پر ایک ماشہ ٹھیجت دی ہوتی ہے، جبکہ وہ خود گاہک سے ڈیڑھ ماشہ ٹھیجت وصول کرتا ہے، چونکہ ٹھیجت کا ایک خاص مطلب ہے یعنی زیور بناتے ہوئے سونے میں جو کھوٹ ہوئی لہٰذا یہ صحیح نہیں کہ دکاندار اپنے گاہک کو ٹھیجت میں واقع سے زیادہ مقدار بتائے، وہ اپنی مزدوری یا نفع کے نام سے عوض لے سکتا ہے، مثلاً تین تولے سونا ہے اور تین ماشے ٹھیجت ہے، تو ایک صورت تو یہ ہے کہ دکاندار تین تولے سونا اور ساڑھے چار ماشے ٹھیجت لگائے اور مزدوری کے ڈیڑھ ہزار روپے لگائے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ تین تولے سونا اور تین ماشے ٹھیجت اور ۲۱۲۵ روپے مزدوری کے لگائے، نتیجہ ایک ہی ہے، لیکن پہلی صورت میں غلط بیانی ہوئی کہ بجائے ایک ماشہ تولے کے ڈیڑھ ماشہ تولے ٹھیجت نکالی، متبادل جائز طریقے کو اختیار کرنا کچھ مشکل نہیں۔

سونے چاندی کے کاروبار میں بعض مروّج جدید طریقے

پہلا طریقہ

آج کل کومیکس (Comex) اور فاریکس (Forex) کے نام سے کاروبار کرنے والی نئی کمپنیاں وجود میں آئی ہیں، اس کاروبار کی جو تفصیلات سامنے آئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کاروبار کی وہ تمام تر صورتیں جو عام طور سے اختیار کی جاتی ہیں ناجائز ہیں۔

کاروبار کا طریقۂ کار

ایک شخص دس ہزار ڈالر کمپنی میں جمع کرا کے اس کمپنی کا رُکن بن سکتا ہے، کمپنی والے پھر اس کی رہنمائی کرتے ہیں کہ وہ کب اور کونسی کرنسی یا جنس خریدے کہ جس کو بعد میں فروخت کر کے نفع کی امید کی جا سکتی ہے، ہر کرنسی یا شی کی خرید کی کم سے کم مقدار مقرر

میں موجود دلالوں کے درمیان کمیشن ایجنٹ کے طور پر کام کرتی ہے۔

یہ سودا جو کمپنی کراتی ہے اس پر وہ پانچ یا سات ڈالر کمیشن لیتی ہے، خواہ سودے
میں موکل کو نفع ہو یا نقصان، ہو یا نفع ہو یا نقصان۔

پھر جوابات تحریری، اگر خریداری کے دن ہی فروخت کر دی گئی تو کمپنی صرف
کمیشن وصول کرے گی، اور اگر فروخت میں چھ دن لگ گئے تو کمپنی کمیشن کے علاوہ پانچ یا
چھ ڈالر یومیہ کے حساب سے سود بھی وصول کرے گی، بعض صورتوں میں موکل کو سود ملتا ہے،

Empire Resources کی وضاحت یوں ہے:

Interest /Premium are paid or charged basing on
the number of days for a position trade

کاروبار کی اقسام

قسم اول Spot /Cash Trading

کمپنی کی اپنی وضاحت کے مطابق وہ اپنے موکلین اور دلالوں کے درمیان رابطہ
کراتی ہے، اور کمیشن پر سودے کرواتی ہے، اس صورت میں سودا موکل اور تجارتی مرکز میں
موجود دلال کے مابین ہوتا ہے، لیکن چونکہ موکل پوری رقم کی ادائیگی تو کرتا ہے نہیں، لہذا
کرنسی اور سونے چاندی کی خرید کی صورت میں سودا دو وجہ سے ناجائز ہے:

الف: بیع الدین بالدین ہے، بائع اور خریدار دونوں کی طرف سے قرض ہے،
کیونکہ نہ تو بائع نے خریدار کو خریدکردہ چیز قبضہ دی، اور نہ ہی خریدار نے قیمت کی ادائیگی کی،
اور بیع الدین بالدین ناجائز ہے۔ چنانچہ الدر المختار میں ہے:

في الدر المختار: باع فلوسا بمثلها أو بدراهم أو بدنانير فإن
نقد أحدهما جاز وإن تفرقا بلا قبض أحدهما لم يجز۔

فلوس فلوس کے بدلے میں فروخت کئے یا فلوس کو دراہم کے بدلے
فروخت کئے یا دنانیر کے عوض فروخت کئے، اگر فریقین میں سے

کسی ایک فریق نے ادائیگی کی تو سودا درست ہے، اور اگر ادائیگی کے بغیر دونوں الگ الگ ہو گئے تو یہ سودا جائز نہیں۔ (۱)

اس کی وجہ علامہ شامی نے یہ بیان فرمائی:-

لانه يكون افتراقا عن دين بدين وهو غير صحيح

کیونکہ یہ دَین کے بدلے میں دَین ہے، جو درست نہیں۔ (۲)

ب: خرید پر جتنے دن گزریں گے خریدار یعنی موکل بینک کے حساب سے سود ادا کرے گا، یہ بھی حرام ہے۔

اور اگر اس کے برعکس ہم یہ فرض کریں کہ کمپنی خود دلالت خرید چکی ہو یا اس کے پاس موجود ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں:-

الف:- کمپنی اپنے لئے خرید چکی ہو اور پھر خود موکل کے ہاتھ فروخت کرتی ہو تو اس میں مذکورہ دونوں خرابیاں تو نہیں ہیں، ان کے علاوہ یہاں کمپنی [illegible] لے رہی ہے۔

ب:- کمپنی موکل کے لئے خرید چکی ہو اور اپنے پاس سے ثمن ادا کر رکھا ہو، قبضہ کر چکی ہو، اس صورت میں اگرچہ بیع الدین بالدین تو نہیں لیکن سود سے بچاؤ اس میں بھی نہیں۔

قسم ثانی Future Trading

یہ اگرچہ بیع سلم کی شکل ہے لیکن اس میں بیع سلم کی بعض شرائط نہیں پائی جاتیں، یعنی یہ سودا طے پانے کی مجلس میں راس المال کی ادائیگی نہیں ہوتی۔

علاوہ ازیں بیع سلم میں یہ ضروری ہے کہ جب تک مسلم فیہ (خریدا ہوا سامان) پر قبضہ نہ ہو جائے، اس میں کسی قسم کا تصرف نہ کیا جائے، جبکہ زیر بحث کاروبار میں اصل یہی ہے کہ مسلم فیہ پر قبضہ کئے بغیر مہیا کئے جانے کی تاریخ سے قبل ہی اس کو آگے فروخت کر دیا

(۱) الدر المختار ۵/۲۵۸

(۲) رد المحتار ۵/۲۵۹

markets without all the complications associated with owning the physical matererinl -such as arranging for delivery . Storage and insurance.
Less than three percent of all future contracts traded each year result in delivery of the undrlying commodity. Instead traders genrally offset their feture positions before their contract muture realsizing the profit of loss which is the diference between the initial purchase or sale price and the price of the offsetting transaction.

دوسرا طریقہ: ایک اور مروّجہ صورت

کاروبار کی ایک شکل جو آج کل رائج ہے کہ مثلاً ایک مہینے کے اُدھار پر سونے کی ایک مخصوص مقدار مثلاً دس تولے کا سودا کر لیا جاتا ہے، خریدار سونے پر قبضہ نہیں کرتا جب ادائیگی کی تاریخ آتی ہے تو سونے کے اس دن کے نرخ کو دیکھ لیا جاتا ہے، خرید کے دن اور ادائیگی کے دن کے سونے کے نرخوں میں جو فرق ہوتا ہے، اس کی ادائیگی کر دی جاتی ہے۔ مثلاً خرید کے دن سونے کا نرخ پانچ ہزار روپے تولہ تھا، ادائیگی کے دن پانچ ہزار ایک سو روپے تولہ ہو گیا تو خریدار بائع سے ایک سو روپے فی تولہ کے حساب سے ایک ہزار روپے وصول کرے گا، اور اگر نرخ گر کر چار ہزار نو سو رہ گیا تو خریدار بائع کو ایک ہزار روپے دے گا نہ تو مشتری سونے پر قبضہ کرتا ہے نہ بائع قیمت پر قبضہ کرتا ہے بس نرخ میں کمی بیشی سے جو فرق آتا ہے اس کا لین دین کر لیتے ہیں، کاروبار کی یہ شکل بالکل ناجائز اور حرام ہے جیسا کہ مقدمہ میں اس کی وجہ گزر گئی۔[1]

(۱) سونے چاندی کے یہ مسائل زیادہ تر رسالہ "سونا چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام" مؤلفہ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد" سے لئے گئے ہیں، دارالافتاء جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور پاکستان۔

باب پنجم

کرنسی اور فلوس کا تبادلہ

بیع صرف اور فلوس

باب چہارم کے شروع میں یہ بات تفصیل سے گزر چکی ہے کہ "بیع صرف" کے لئے حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں عوضین کا ثمن خلقی ہونا ضروری ہے، چند عبارات مع ترجمہ یہاں بھی ملاحظہ ہوں :-

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں :-

"وشرعاً بیع الثمن بالثمن ای ما خلق للثمنیۃ، ومنہ المصوغ جنساً بجنس او بغیر جنس-"

"اور شریعت میں بیع صرف عبارت ہے ثمن کی ثمن کے ساتھ خرید و فروخت سے، یعنی جو خلقی طور پر ثمن ہو، اور اسی سے بنا ہوا برتن بھی ہے، خواہ جنس کا مقابلہ جنس کے ساتھ ہو، یا خلاف جنس کے ساتھ ہو-"(۱)

علامہ مرغینانی فرماتے ہیں :-

"سواء کانا یتعینان کالمصوغ او لا یتعینان کالمضروب، او یتعین احدھما ولا یتعین الآخر، لاطلاق ما روینا، ولانہ

(۱) الدر المختار للحصکفی شرح تنویر الابصار للتمرتاشی ومتن رد المحتار لابن عابدین المعروف بالشامی (۳۰۲/۷)

ان کان یتعین ففیہ شبہۃ التعیین لکونہ ثمنا خلقۃ فیشترط قبضہ اعتبارا للشبہۃ فی الربا۔

''چاہے عوضین متعین کرنے سے متعین ہوتے ہوں مثلاً دونوں طرف برتن ہوں، یا متعین نہ ہوتے ہوں، مثلاً دونوں طرف نقد ہوں، یا ایک عوض متعین ہوتا ہو اور دوسرا نہ ہوتا ہو، (یہ سب صورتیں بیع صرف میں داخل ہیں)، ایک تو حدیث مطلق ہے، اور دوسری بات یہ کہ یہ چونکہ خلقی ثمن ہے تو اس میں تعیین کے باوجود شبہ پایا جاتا ہے، اس لئے شبہ ربا کی وجہ سے اس میں تقابض کو ضروری قرار دیا۔''(1)

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک طرف سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، اور دوسری طرف بھی سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، یا دونوں طرف دراہم ودنانیر ہوں، یا ایک طرف دراہم یا دنانیر ہوں اور دوسری طرف سونے چاندی کا برتن یا زیور ہو تو یہ تمام صورتیں بیع صرف کی ہیں، کیونکہ یہ تمام ثمن خلقی ہیں، لہذا ان تمام صورتوں میں تقابض ضروری ہوگا۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:-

''وغالب الغش لیس فی حکم الدراہم والدنانیر فیصح بیعہا بجنسہا متفاضلا والتبایع والاستقراض بما یروج عددا او وزنا او بہما ولا یتعین بالتعیین لکونہا اثمانا۔

''کھوٹ اگر غالب ہو تو اس صورت میں یہ دراہم ودنانیر کے حکم میں نہیں ہوں گے، لہذا ان کی ہم جنس کی بیع زیادتی کے ساتھ جائز

(1) الہدایۃ مع الفتح، المرغینانی، شیخ الاسلام برہان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الفرغانی ۵۹۳ھ، کوئٹہ، پاکستان، مکتبہ رشیدیہ، ج ۶، ص ...

ہوگی، اور رواج کے مطابق ان کی خرید وفروخت اور قرض کا معاملہ وزن یا عدد کے اعتبار سے درست ہوگا، البتہ یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ اثمان ہیں۔"[۱]

اس پر علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

"قوله: "ولا يتعين بالتعيين لكونها اثمانا" يعني مادامت تروج لانها بالاصطلاح صارت اثمانا، فمادام ذلك الاصطلاح موجودا لا تبطل الثمنية لقيام المقتضي۔"

"صاحب ہدایہ کی یہ بات کہ "یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، کیونکہ یہ اثمان ہیں" یعنی جب تک مروّج ہوں، کیونکہ یہ لوگوں کی اصطلاح سے اثمان بنے ہیں، سو جب تک یہ اصطلاح باقی رہے گی، اس کی ثمنیت بھی باقی رہے گی، اس لئے کہ مقتضی موجود ہے۔"[۲]

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر سونے یا چاندی میں کھوٹ غالب ہو، اور سونا یا چاندی کم ہو، اور وہ مروّج بھی ہو تو ان کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، اگرچہ وہ ثمن ہم جنس کیوں نہ ہوں، لیکن اس کے باوجود یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ اثمان ہیں لیکن اثمان عرفیہ ہیں۔

اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوئی کہ اس میں ثمن کا مقابلہ ثمن کے ساتھ ہے لیکن چونکہ یہ ثمن خلقی نہیں، اس لئے اس کو بیع صرف سے نکالا اور اس میں وحدت جنس

---

(۱) كنز الدقائق مع البحر، النسفي الامام ابو البركات عبد الله بن احمد بن محمود المعروف بحافظ الدين النسفي المتوفى ۷۱۰ ھ، بيروت، دار الكتب العلمية، طبع اول ۱۴۱۸ھ (۶/ ۳۳۵)۔

(۲) ایضاً۔

کے باوجود تفاضل (زیادتی) کو جائز قرار دیا۔

فقہائے حنفیہ کی ان عبارات سے یہ بات صاف طور پر سامنے آتی ہے کہ بیع صرف کے لیے صرف ثمن کا ہونا کافی نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ وہ ثمن خلقی ہو، چاہے ثمن خلقی کسی بھی شکل میں ہو سکتا ہے۔

۱۔ عدم تعیین کے لیے کسی شی کا صرف ثمن ہونا کافی ہے۔

حنبلی کی مشہور کتاب "کشاف القناع" میں ہے:-

"فصل في المصارفة، وهي بيع نقد بنقد، اتحد الجنس او اختلف۔"

"مصارفہ زر کے مقابلے میں زر کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں خواہ جنس ایک ہو یا مختلف ہو۔"(۱)

یہ حضرات چونکہ تفصیل میں نقدین حقیقیہ ذکر کرتے ہیں، اسی طرح درہم و دینار یعنی سونا چاندی ذکر کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں بھی بیع صرف میں "نقد" سے مراد ثمن خلقی ہی ہے۔

فقہ شافعی کی مشہور کتاب "مغنی المحتاج" میں ہے:-

"والنقد بالنقد، والمراد به الذهب والفضة مضروبا كان او غير مضروب۔"

"(بیع صرف نقد کے مقابلے میں نقد کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں) اور اس سے مراد سونا چاندی ہے، خواہ سکے کی شکل میں ہو یا نہ ہو۔"(۲)

---

(۱) [illegible] ۳/۲۶۴

(۲) مغنی المحتاج، الشربینی، الشیخ محمد الشربینی الخطیب، بیروت، دار احیاء التراث العربی، [illegible]

"حضراتِ حنفیہ نے بیع صرف کی تعریف یہ کی ہے کہ ثمن کو ثمن کے مقابلے میں فروخت کیا جائے۔ اور ان کے نزدیک اثمان سے مراد وہ ہیں جو خلقۃً ثمن ہوں، یعنی زمانہ قدیم سے، اور وہ سونا اور چاندی ہیں، خواہ سکہ کی شکل میں ہوں تو دنانیر اور دراہم، جو "نقدین" کے ساتھ مشہور ہیں، اور یا زیور کی شکل میں ہوں، جیسا کہ بالیاں اور چوڑیاں ہیں، اور یا ڈلی کی شکل میں ہوں، اور شافعیہ اور حنابلہ نے ثمن سے "نقد" کے ساتھ تعبیر کی ہے، سو انہوں نے کہا کہ "صرف" "نقد" کے مقابلے میں نقد کی بیع کو کہتے ہیں، خواہ ہم جنس ہوں یا نہ ہوں، اور ان کے نزدیک بھی "نقد" سے مراد سونا چاندی ہی ہے، خواہ کسی بھی شکل میں ہوں، اور تینوں مذہب کا حکم ایک ہے، اور یہ کہ سونا اور چاندی کی خرید و فروخت جب جنس کے ساتھ ہو، مثلاً سونے کو سونے کے ساتھ یا چاندی کو چاندی کے ساتھ تو اس صورت میں حلول (ادھار نہ ہونا) تماثل (برابر ہونا) اور تقابض ضروری ہیں.... ائمہ ثلاثہ کی صرف کی مذکورہ تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اس سونے اور چاندی میں منحصر ہے، جس میں کھوٹ غالب نہ ہو، لہٰذا اگر سونا یا چاندی جس میں کھوٹ غالب ہو، یا ما ثمن سے نقد فلوس رائج ہوں، تو اس عقد کا عقد صرف نہیں کہا جائے گا۔"(۱)

ان تمام عبارات کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں عقدِ صرف کے لئے ثمن کا خلقی ہونا ضروری ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ کھوٹ کی صورت میں سونا چاندی غالب ہوں۔ اس لئے "فلوس" کی بیع صرف میں داخل نہیں، بلکہ سونے یا چاندی میں اگر "غش"

(۱) تطور النقود (ص ۱۳، ۱۴)

اندازہ کیا جاتا ہے، دراہم و دنانیر کی مالیت کا اندازہ جس طرح دراہم اور
دنانیر کے ساتھ کیا جاتا ہے، اسی طرح فلوس کے ساتھ بھی کیا جاتا
ہے، لہٰذا فلوس اثمان ہوں گے، اور یہی وجہ ہے کہ فلوس کا تبادلہ
جب غیر جنس کے ساتھ ہو، یا جنس کے ساتھ ہو لیکن دونوں طرف
مساوی ہوں تو فلوس کو اثمان قرار دیا جاتا ہے، اور جب جب فلوس
اثمان ہیں، تو عقد میں آ کر تعیین سے متعین نہیں ہوتے، جیسے کہ دراہم اور
دنانیر کا معاملہ ہے، ایسے ان میں "تعیین" کا عدم ہوتی تو اب یہ سمجھ
جائے گا کہ یہاں غیر معین فلس کی غیر معین فلسین کے ساتھ بیع ہوئی،
اور یہ جائز نہیں، اس لئے کہ جب یہ اثمان ہیں، تو ایک فلس
ایک فلس کے مقابلے میں آ جائے گا، اور ایک فلس عوض سے خالی رہ
جائے گا، اور یہی ربوٰ کی تعریف ہے۔(۱)

اور ہدایہ میں ہے:-

ويجوز بيع الفلس بالفلسين بأعيانهما عند أبي حنيفة وأبي يوسف، وقال محمد: لا يجوز، لأن الثمنية تثبت باصطلاح الكل فلا تبطل باصطلاحهما وإذا بقيت أثمانا لا تتعين فصار كما إذا كانا بغير أعيانهما، وكبيع الدرهم بالدرهمين ولهما أن الثمنية في حقهما تثبت باصطلاحهما إذ لا ولاية للغير عليهما فتبطل باصطلاحهما وإذا بطلت الثمنية تتعين بالتعيين ـــ فصار كالجوزة بالجوزتين بخلاف النقود لأنها للثمنية خلقة.(۲)

---

(۱) بدائع الصنائع للكاساني، للإمام العلامة علاء الدين أبي بكر بن مسعود الكاساني، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، طبعہ اولیٰ ۱۴۰۰ھ
(۲) الهداية مع الفتح، [illegible]

اس صورت کا حاصل وہی ہے جو ہم نے اوپر ذکر کیا۔

فلس بفلسین کی فتح القدیر وغیرہ میں چار صورتیں تحریر ہیں، ان میں سے تین صورتیں بالاتفاق حرام اور ناجائز ہیں، اور ایک صورت اختلافی ہے، جس کی تفصیل گزر گئی:-

۱-	فلس غیر معین	=	فلسین غیر معینین	حرام اتفاقاً
۲-	فلس معین	=	فلسین غیر معینین	
۳	فلس غیر معین	-	فلسین معینین	اختلافی[1]
۴-	فلس معین	=	فلسین معینین	

فلوس میں تاجیل جائز ہونے کی صورت علامہ سرخسیؒ نے یہ بیان فرمائی ہے:-

واذا اشترى الرجل فلوسا بدراهم ونقد الثمن ولم تكن الفلوس عند البائع فالبيع جائز، لان الفلوس الرائجة ثمن كالنقود، وقد بينا ان حكم العقد في الثمن وجوبها ووجودها معا ولا يشترط قيامها في ملك بائعها لصحة العقد كما لا يشترط ذلك في الدراهم والدنانير۔

"جب ایک آدمی دراہم کے بدلے میں فلوس خریدے، اور ثمن (دراہم ادا کئے) ادا کیا، اور فلوس بائع کے پاس نہیں تھے تو یہ جائز ہے، کیونکہ فلوس رائجہ نقود کی طرح ثمن ہیں، اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ثمن میں عقد کا حکم صرف اس کا وجوب اور وجود ہے، اور ثمن کا بوقت عقد بائع کی ملکیت میں ہونا صحت عقد کے لئے ضروری نہیں، جیسا کہ یہ دراہم اور دنانیر میں یہ شرط نہیں ہے۔"[2]

---

(۱) فتح القدیر (۲/۱۴۲)

(۲) المبسوط للسرخسی شمس الدین السرخسی، بیروت، لبنان، دار المعرفة، طبع ۱۳۱۴ھ (۲۴/۲)

ہوں، میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ امام مالکؒ کے نزدیک ایک فلس کی بیع دو فلسوں کے ساتھ جائز ہے؟ فرمایا: ایک فلس کی بیع دو فلسوں کے ساتھ جائز نہیں ہے۔"(1)

الليث عن يزيد بن ابى حبيب وعبيد الله بن ابى جعفر قالا : وشيوخنا كلهم انهم كانوا يكرهون صرف الفلوس بالدنانير والدراهم الا يدا بيد. وقال يحي بن ايوب : قال يحي بن سعيد : اذا صرفت درهما فلوسا فلا تفارقه حتى تاخذ كله.

"ہمارے سارے مشائخ فلوس کا دنانیر اور دراہم کے ساتھ صرف کو ناپسند فرماتے تھے مگر یہ کہ ہاتھ در ہاتھ ہو۔"(2)

حضرات مالکیہ کی ان عبارات سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کے ہاں راجح یہی ہے کہ صرف کے لئے ثمن کا خلقی ہونا ضروری نہیں، بلکہ فلوس کی بیع بھی صرف میں داخل ہے، اور اس میں تقابض ضروری ہے، اور ادھار ان کا معاملہ جائز نہیں۔

کیا کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف میں داخل ہے؟

باب سوم میں یہ بات گزر چکی ہے کہ "نوٹ" کی شرعی حیثیت میں چار مشہور نظریے ہیں:-

1- نوٹ دَین (Debt) کی "سند" (Certificate) ہے۔

۲- نوٹ "سامان" (Goods) ہے۔

۳- نوٹ سونے اور چاندی کا "بدل" یا قائم مقام (Substitute) ہے۔

۴- نوٹ بذات خود "ثمن عرفی" ہے، اور فلوس کے حکم میں ہے۔

(1) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا (۳/ ۲۰۵)۔

سوال: هل يجوز بيع النوط بأزيد من رقمه او انقص؟

فاقول: نعم، يجوز بيعه بأزيد من رقمه وبانقص منه كيفما تراضيا (الى قوله) نص علماءنا قاطبة ان علة حرمة الربا القدر المعهود بكيل او وزن مع الجنس فان وجدا حرم الفضل والنساء، وان عدما حلا، وان وجد احدهما حل الفضل وحرم النساء، وهذه قاعدة غير منخرمة وعليها تدور جميع فروع الباب، ومعلوم ان لا اشتراك في النوط والدراهم في جنس ولا قدر، اما الجنس فلان هذا قرطاس، وتلك فضة، واما القدر فلان الدراهم موزونة ولا قدر للنوط اصلا لا مكيل ولا موزون، فوجب ان يحل الفضل، والنساء جميعا، فاذن ليس النوط من الاموال الربوية الخ

"سوال:- کیا نوٹ کی بیع اس میں لکھی ہوئی قیمت سے کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا درست ہے؟ میں کہتا ہوں کہ ہاں اس کی بیع اس میں لکھی ہوئی قیمت سے کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، جس طرح عاقدین راضی ہو جائیں ...... ہمارے سارے علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حرمت ربا کی علت قدر (کیل، وزن) اور جنس ہے، دونوں باتیں اگر موجود ہوں، تو زیادتی اور نسء دونوں ناجائز ہیں، اور اگر دونوں باتیں معدوم ہوں، تو زیادتی اور نسء دونوں جائز ہیں، اور اگر ایک بات موجود ہو، تو زیادتی جائز اور نسء ناجائز ہے، یہ نوٹنے والا قاعدہ نہیں، اس پر باب ربا کے تمام جزئی مسائل کا مدار ہے، اور یہ بات بالکل معلوم ہے کہ نوٹ اور درہم میں کوئی جنس کی

شیخ عبدالرزاق عفیفی فرماتے ہیں:۔

"لما كان الامر كذلك كانت الاوراق النقدية بدلا عما حلت محله من عملات الذهب او الفضة التي سبقتها في التعامل۔۔۔ وعلى هذا تجب فيها الزكوة كأصلها ويعتبر فيها النصاب بما قدر به في اصلها وتجري فيها ربا الفضل والنسيئة"(1)

اس عبارت کا حاصل بھی یہی ہے کہ کرنسی نوٹ جب سونے چاندی کی کرنسی کے قائم مقام ہو گئے تو اب اس پر ان کے سارے احکام جاری ہوں گے، اور کرنسی نوٹوں میں بھی احکام بیع الصرف ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں قسمیں جاری ہوں گی۔ ان عبارات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف ہو سکتا ہے۔

اور جن حضرات کے نزدیک کرنسی نوٹ مستقل زر ہے، اور احکام میں فلوس کی طرح ہے، ان کے نزدیک کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف نہیں۔

حاصل یہ کہ مذکورہ چار موقفوں میں سے صرف تیسرے موقف کے مطابق کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف ہے، باقی تین موقفوں کے مطابق نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف نہیں، اور بیع صرف نہ ہونے کی وجہ الگ الگ ہے یعنی:۔

موقف اول کے مطابق نوٹ چونکہ سند یا وثیقہ ہے، تو وثیقہ ہونے کی وجہ سے بیع صرف کیا سرے سے بیع ہی نہیں، بلکہ حوالہ ہے۔

دوسرے موقف کے مطابق نوٹ سامان کے حکم میں ہے، اس لئے صرف کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی، چوتھے موقف کے مطابق نوٹ اگرچہ زر ہے، لیکن چونکہ بیع صرف کے لئے ثمن کا خلقی ہونا ضروری ہے، اور یہ ثمن خلقی نہیں، اس لئے ان کا تبادلہ بیع صرف نہیں، تیسرے موقف کے مطابق چونکہ کرنسی نوٹ سونے یا چاندی کے قائم مقام ہے،

---

(1) احکام الاوراق النقدية والعملات للعفيفي، ص ۲۰۲۔

شیخ عبداللہ بن سلیمان جو ایک قاضی ریاض کے ہیں فرماتے ہیں:

"هذه النظرية ترى أن الأوراق النقدية كالفلوس في ضرورة الثمنية فيها فما ثبت للفلوس من أحكام الربا والزكاة والسلم تثبت للأوراق النقدية مثلها وقد قال بهذه النظرية مجموعة كبيرة من أفاضل العلماء ويعتبر القائل بها في الجملة وسطا بين القائلين بالنظرية السندية والقائلين بالنظرية العرضية، ولا شك أنه أقرب الأقوال إلى الإصابة في نظرنا (النقود الورقية ص ۹۴)

"اس نظریہ کا حاصل یہ ہے کہ نوٹ ثمن عرفی ہونے میں فلوس کی طرح ہیں، سود، زکوۃ اور بیع سلم کے جو احکام فلوس میں جاری ہوتے ہیں، وہ احکام نوٹوں میں بھی جاری ہوں گے، اس نظریہ کا قائل فضلاء علماء کی ایک بڑی جماعت ہے، اور اس نظریہ کا قائل ان دو نظریوں یعنی یہ نظریہ کہ نوٹ سند ہے، اور یہ نظریہ کہ نوٹ عرض ہے، کے درمیان فیصل اور ثالث ہے، (یا اس نظریہ کا قائل مذکورہ دو نظریوں کے قائلین کے درمیان میں ہے یعنی یہ نظریہ اعتدال پر مبنی ہے) اور بلاشبہ یہ نظریہ ہماری نظر میں حق اور درستگی کے زیادہ قریب ہے۔[۱]

شیخ احمد الخطیب اس کے متعلق فرماتے ہیں:-

فتبين بجميع ذلك أن النوت كالفلوس النحاسية في جميع أحكامها ظاهراً وباطناً، لاقتضاء النفوس بإلحاق النوت بالفلوس (ص ۲۰۹)

(۱) بحوالہ جدید فقہی مباحث للقاسمی۔

"ان تمام (دلائل) سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نوٹ ظاہر قول علماء تمام احکام میں ثمنیے سے بنے ہوئے فلوس کی طرح ہے۔"(1)

ترجیح

باب سوم میں ہم نے کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت کے بارے میں چوتھے موقف کو ترجیح دی تھی لہٰذا اسی بناء پر یہاں بھی راجح یہی ہے کہ کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف نہیں۔

فلوس کے تبادلے کا تحقیقی جائزہ

فلوس کے تبادلے کا تحقیقی جائزہ اسی باب کے شروع میں "بیع صرف اور فلوس" کے عنوان کے تحت بڑی تفصیل سے لیا گیا ہے، اس لئے یہاں دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

ایک ملک کی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت بیع

جاننا چاہیے کہ ایک ملک کی کرنسی جنس واحد ہے، اور مختلف ممالک کی کرنسیاں اجناس مختلفہ ہیں، اور کرنسی کے بارے میں راجح قول یہی ہے کہ فلوس کے حکم میں ہے، اور فلوس میں اختلاف مشہور ہے، جو تفصیل کے ساتھ گزشتہ صفحات میں گزر چکا، امام محمدؒ اور امام مالکؒ فلوس میں تفاضل کو حرام قرار دیتے ہیں، بلکہ غیر متعین ہونے کی صورت میں حضرات شیخینؒ کا بھی یہی موقف ہے، لہٰذا کرنسی نوٹوں سے متعلق اس قول کے مطابق ملکی کرنسی کا تبادلہ جنس کے ساتھ جائز نہ ہوگا، اور تفاضل جائز نہ ہونے کی علت وہی ہے، جو "فلوس" میں گزر چکی، یعنی یہ کہ یہ امثال متساویہ ہیں، تو بیع کی صورت میں اگر ایک طرف زیادتی ہوئی تو وہ زیادتی مشروط خالی عن العوض ہوگی، اور یہی ربا ہے، جو حرام ہے، اس کی مفصل عربی عبارات گزشتہ صفحات میں ذکر ہو چکی ہیں۔

واضح رہے کہ جن حضرات کے نزدیک کرنسی نوٹ سند قرض ہے، ان کے نزدیک

(1) حوالہ بالا۔

برآمد کے حساب سے کل پیداوار کے برابر دھاتی سکے اور ایک روپے کے نوٹ جاری کئے جاتے ہیں، پھر ان دھاتی سکوں اور ایک روپے کے نوٹوں کے مجموعے کی تعداد کے مطابق بطور دستاویز بڑے نوٹ جاری کئے جاتے ہیں، لہذا اسٹیٹ بنک کے اس بیان کے مطابق

دھاتی سکے　=　فلوس

ایک روپے کا نوٹ　=　فلوس کے حکم میں ہے

بڑے نوٹ　=　فلوس کی دستاویز

اس لئے دس روپے کا نوٹ مثلاً ایک ایک روپے کے دس دس نوٹوں یا اس کے برابر دھاتی سکوں کی دستاویز ہے، خود زر اور مال نہیں۔

اسی نظریے کی بناء پر مفتی صاحب کاغذی کرنسی کے تبادلے کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:-

"ایک روپے کے نوٹ بحکم فلوس ہیں، اس لئے ان کا باہم مبادلہ جائز ہے، البتہ تفاضل اور نساء حرام ہے، اگر کہیں نساء کی ضرورت پیش آئے، تو مبادلے کی بجائے استقراض کا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔ بڑے نوٹوں کے عوض ایک روپے کے نوٹ یعنی اس معاملے کو استقراض میں داخل کیا جاسکتا ہے، بڑے نوٹوں کا باہم مبادلہ یہ درحقیقت مال کا مال کا مبادلہ نہیں، بلکہ رسید کا رسید سے ہے، اس لئے جائز ہے۔"(۱)

اس میں کاغذی کرنسی سے متعلق درج ذیل چند صورتیں آگئیں:-

۱- ایک روپے کے نوٹوں کے بطور بیع باہمی مبادلہ، برابری اور تقابض کے ساتھ جائز ہے۔

---

(۱) احسن الفتاوی، لدھیانوی (مفتی رشید احمد صاحب) کراچی، ایچ ایم سعید، پاکستان چوک، طبع اول ۱۴۱۵ھ، ج: ۶، ص: ۱۱۹۔

۲- ان کی بیع نسیاً جائز نہیں، البتہ قرضاً درست ہے۔ جس کی صورت یہ ہوگی کہ زید عمرو کو آج ایک ایک روپے کے سو نوٹ بطور قرض دیدے، اور ماہ بعد عمرو پھر واپس کرے۔

۳- ۱۰۰ کا نوٹ مثلاً ایک ایک روپے کے ۱۰۰ نوٹ سے اس کی بیع درست نہیں۔ لہذا اس میں قرض کا حیلہ کیا جائے گا جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔

۴- ۱۰۰ روپے کا نوٹ = ۱۰۰ روپے کے نوٹ کے ساتھ تبادلہ بطور بیع درست ہے۔

مناقشہ

حضرت مفتی صاحب مرحوم کا کرنسی نوٹوں سے متعلق مذکورہ موقف اس بات پر مبنی ہے کہ ملک میں ایک روپے کے جتنے نوٹ ہوتے ہیں اس کی بقدر بڑے نوٹ بطور حوالہ جاری ہوتے ہیں، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ تحقیق کرنے سے تجربہ مشاہدے سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ ملک میں بڑے نوٹ ایک روپے کے نوٹوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ گردش میں ہوتے ہیں لہذا اس موقف کی اصل بنیاد ہی درست نہیں۔

نیز شروع باب سوم میں ہم نے پہلے موقف کی تردید کے لیے جو دلائل اور قرائن ذکر کئے ہیں، ان سے بھی اس موقف کا کمزور ہونا ثابت ہوتا ہے، اور جب کرنسی نوٹ سے متعلق اصل نظریہ ہی باطل ہوگیا تو اس پر جو تفریعات کی گئی ہیں وہ درست نہ ہوں گی۔

نیز بڑے نوٹ کو چھوٹے نوٹ کے بدلے میں فروخت کرنے کو جائز قرار دینا جیسا کہ اوپر ذکر کردہ چوتھی صورت میں ہے، یہ بالکل درست نہیں، کیونکہ یہ بیع الکالی بالکالی ہے، جو کہ بالکل ناجائز ہے، اس لئے کہ بڑا نوٹ جب مال نہیں، بلکہ مال کی رسید ہے، اور رسید پر قبضہ مال پر قبضہ نہیں تو یہاں اس معاملے میں کسی جانب سے بھی قبضہ نہیں پایا گیا،

تو اس صورت کو بیع کی بنیاد پر کس طرح جائز کہیں گے؟ حالانکہ علامہ نے بعد سے جب کرنسی نوٹوں کو سند دین کہا تو بیع کے طور پر ان کے مبادلے کو ناجائز کہا، البتہ حوالے کی تاویل کی، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی، اسی طرح یہاں بھی ہونا چاہئے تھا، بہرحال یہ موقف اور اس پر بھی تفریعات قوی نہیں۔

ملکی کرنسی کے بطور بیع تبادلے میں "تقابض" کا مسئلہ

یہ مسئلہ نہایت اہم ہے، جو مفتی صاحب مرحوم نے بیان فرمایا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ گزشتہ صفحات میں ہم نے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات ذکر کی ہے کہ فلوس یا کرنسی نوٹ کا تبادلہ بطور بیع، بیع صرف نہیں، بیع صرف نہ ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ اس میں تقابض شرط نہ ہو، کیونکہ تقابض صرف کی خصوصیات میں سے ہے، لیکن اس کے باوجود صحیح اور قوی کے مطابق اس میں تقابض شرط ہے، حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بھی ملکی کرنسیوں میں تبادلے میں پہلے تقابض کے عدم اشتراط کے قائل تھے، کہ ایک جانب سے قبضہ کافی ہے، دونوں طرف سے تقابض ضروری نہیں، لیکن انہوں نے مفتی رشید احمد صاحب مرحوم کا مضمون پڑھ کر اپنے سابقہ موقف سے رجوع فرمایا، اور صرف ملکی کرنسی کے تبادلے میں ان کے ہاں بھی تقابض ضروری ہے، چنانچہ دونوں حضرات کی عبارات ذیل میں ملاحظہ ہوں:-

مفتی رشید احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

> "بیع الفلوس بالفلوس بالتساوی: اس میں بالاتفاق تقابض فی المجلس شرط ہے، مذہب شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ میں ایک قول یہ بھی ہے کہ صرف تعیین البدلین یعنی تقابض بھی کافی ہے، یعنی تعیین و تقابض میں کسی کا وجود شرط ہے۔
>
> قال الامام الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ: تبایعا فلساً بعینہ بفلس بعینہ فالفلسان لا یتعینان وان عینا الا ان القبض

سے رجوع کرتا ہے، والخ۔[1]

واضح رہے کہ مفتی رشید احمد صاحب مرحوم اور جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی ان عبارات کا تعلق فلوس میں تقابض سے ہے، لیکن چونکہ کرنسی نوٹ ان کے نزدیک فلوس ہی کے حکم میں ہے، اس لئے جو تفصیل فلوس میں ہوگی، وہی تفصیل کرنسی نوٹ کے تبادلے میں بھی ہوگی، لہٰذا ملکی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ جب بطور بیع ہو، تو یہ اگرچہ بیع صرف نہیں، لیکن جنس متحد ہونے کی وجہ اس میں تقابض شرط ہوگا۔

ایک ملک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت قرض

پچھلی بحث میں یہ بات ذکر ہوئی کہ اگر ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع ہو تو اس میں راجح قول کے مطابق تفاضل جائز ہے، اور نہ نساء، لیکن کبھی کبھی نساء کی ضرورت پڑتی ہے، لہٰذا اس کے لئے استقراض کا طریقہ اختیار کیا گیا، استقراض کی صورت میں نساء حرام نہیں، کیونکہ استقراض بغیر نساء کے ممکن ہی نہیں، البتہ تفاضل یہاں بھی حرام ہوگا، کیونکہ تفاضل یہاں ربا النسیئہ میں داخل ہے، جو حدیث مشہور "کل قرض جر منفعة فھو ربا" کی رو سے ناجائز اور بالکل حرام ہے، اس حدیث کی تخریج اور تشریح باب دوم میں گزر چکی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جن حضرات کے نزدیک بھی کرنسی نوٹوں کی بیع درست نہیں، ان کے نزدیک بھی ان نوٹوں میں استقراض کا طریقہ درست ہے، جیسا کہ گزر چکا۔

اور قرض یا استقراض کی شکل یہ ہوگی، کہ مثلاً زید کو آج اپنی کسی شخصی یا تجارتی ضرورت کے لئے ایک لاکھ روپے پاکستانی کی ضرورت ہے، تو وہ عمرو کے پاس جاتا ہے، اور اس سے بطور قرض یہ روپیہ حاصل کرتا ہے، اور ایک ماہ کی مدت مقرر ہوتی ہے، تو یہ معاملہ درست ہے، البتہ ایک ماہ بعد زید ایک لاکھ روپے ہی واپس کرے گا، اس میں ایک

---

(۱) البلاغ شمارہ جمادی الاولی ۱۴۲۳ھ دار العلوم کراچی ۱۳۔

سفتجہ کے اصطلاحی معنی

سفتجہ کے اصطلاحی معنی کا حاصل ہے کہ یہ ایک مالی معاملہ ہے، جس میں مثلاً زید عمرو کو کسی شہر میں قرضہ دیتا ہے، اور یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ عمرو یا اس کا نائب یہ قرضہ زید یا زید کے نائب کو فلاں شہر یا فلاں جگہ میں واپس کرے گا، اس کی جمع "سفاتج" ہے۔(۱)

سفتجہ کی شرعی حیثیت اور فقہی تکییف

فقہائے کرام مسئلہ "سفتجہ" کو دو جگہ بیان فرماتے ہیں، بعض حضرات فقہائے کرام اس کو باب القرض میں ذکر کرتے ہیں، اور بعض حضرات نے باب الحوالہ میں اس کو ذکر کیا ہے:

۱- جمہور علماء کے نزدیک یہ قرض کا معاملہ ہے۔

۲- بعض نے اس کو حوالہ قرار دیا ہے۔

۳- بعض نے اس کو اجارہ قرار دیا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ قرض ہی کا معاملہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے، اور جمہور علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

---

(۱) حوالہ سابقہ، ص ۱۸۸

وصورتها أن يدفع إلى تاجر مالاً قرضاً ليدفعه إلى صديقه وإنما يدفعه قرضاً لا أمانة ليستفيد به سقوط خطر الطريق. وقيل: هي أن يقرض إنساناً ليقضيه المستقرض في بلد يريده المقرض، ليستفيد به سقوط خطر الطريق كفايه۔

—— تهذيب الأسماء واللغات، للنووي الإمام أبو زكريا محي الدين بن شرف النووي المتوفى ٦٧٦هـ دمشق، إدارة الطباعة المنيرية (٢/١٤٩)

- تحرير التنبيه، النووي، بيروت، دار القلم، طبع أول ١٤٠٨هـ (ص ١٩٣)

بفتح السين المهملة و فتح التاء المثناة فوق بينهما فاء ساكنة والجيم - هي كتاب صاحب المال إلى وكيله في بلد آخر ليدفع إليه بدله وفائدته السلامة من خطر الطريق ومؤونة الحمل۔

سفتجہ کا شرعی حکم

"سفتجہ" کے شرعی حکم میں صحابہ کرام اور فقہاء امت کا اختلاف ہے۔ ایک فریق اس کو مکروہ و ناجائز کہتا ہے، اس فریق میں تابعین میں سے امام ابن سیرین، امام قتادہ، امام شعبی، امام ابراہیم نخعی اور ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی اور بعض تفصیلات کے ساتھ حضرت امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔ (۱)

دوسرا فریق اس کو جائز کہتا ہے، اس فریق میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ابن عباس، ابن الزبیر، حضرت علی، حضرت حسن بن علی، تابعین میں سے عبدالرحمٰن بن اسود، ایوب، امام ثوری اور امام اسحاق اور ائمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبل، اسی طرح دیگر حنابلہ میں سے علامہ ابن قدامہ، ابن عقیل، امام ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔

فریق اول کے دلائل کا خلاصہ

جو حضرات سفتجہ کو مکروہ و ناجائز کہتے ہیں ان کے دلائل کا خلاصہ درج ذیل ہے:

---

(۱) مصنف عبد الرزاق الصنعاني، حافظ ابو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني المتوفى [illegible]هـ، جنوبي افريقه، المجلس العلمي، طبع اول [illegible]هـ ([illegible])

___ الفتاوى الهندية العالمگيرية: ([illegible])

"وكره السفاتج وهو قرض استفاد به المقرض سقوط خطر الطريق وقد نهى رسول الله ﷺ عن قرض جر نفعا"

___ الهداية مع الفتح ([illegible])

"ويكره السفاتج وهي قرض استفاد به المقرض سقوط خطر الطريق الخ"

___ الخرشي ([illegible])

___ الشرح الصغير للدردير ([illegible])

___ المهذب للشيرازي، امام ابو اسحاق شيرازي، مصر ([illegible])

___ مغني المحتاج للخطيب، شيخ محمد الشربيني الخطيب، بيروت، دار احياء التراث العربي ([illegible])

شرط کے ساتھ کسی کو قرض کے طور دی جائے تو یہ دینا جائز ہے، ورنہ جائز ہے۔[1]

۲- حضرت امام مالکؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ اس کی علت "تغیرِ ثمن" ہے، یعنی عام طور جس شہر میں ادائیگی قرض کی شرط لگائی جاتی ہے، وہاں قیمت دوسری ہوتی ہے، جس سے قرض میں کمی بیشی لازم آ جائے گی، جو نا جائز ہے۔[2]

اِستثنا ءات (Exceptions)

جو حضرات سفاتج کو نا جائز یا مکروہ کہتے ہیں، ان کے ہاں اس حکم سے دو صورتیں مستثنیٰ ہیں:-

۱- قرض کا معاملہ پہلے ہو، اور سفتجہ بعد میں لکھا جائے، یہ جائز ہے، کیونکہ یہاں منفعت مشروط نہیں، بلکہ یہ محض احسان و تبرع ہے، اور مذکورہ حدیث کی تشریح میں یہ بات گزر چکی ہے کہ یہاں منفعت سے وہ منفعت مراد ہے جو مشروط یا معروف ہو، مشروط یا معروف نہ ہونے کی صورت میں یہ محض تبرع اور احسان سمجھا جائے گا، یہ حضرات ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے سفتجہ کا جو جواز منقول ہے، اس کی یہی تاویل کرتے ہیں۔[3]

---

(۱) الکافی، ابن قدامہ المقدسی، بیروت، المکتب الاسلامی، طبع سوم ۱۴۰۲ھ (۲/۱۲۵)
وان شرط ان یوفیہ فی بلد آخر ویکتب لہ بہا سفتجۃ الی بلد فی حملہ الیہ نفع لم یجز لذلک، فان لم یکن لحملہ مؤنۃ فمنہ الجواز۔

——— وقال ابن عبدالبر : ولا یجوز ان یقترض الرجل شیئا لہ حمل ومؤنۃ فی بلد علی ان یعطیہ ذلک فی بلد آخر فاما السفاتج فکرہتہا طائفۃ من العلماء، ممن کرہہا مالک العمل بہا ولم یحرمہا واجاز ذلک طائفۃ من اصحابہ الخ (احکام الاوراق النقدیۃ للجعید ص ۱۴۳ بحوالہ الکافی ۲/۷۲۹-۷۳۰)

(۲) احکام الاوراق النقدیۃ والتجاریۃ للجعید (ص ۱۴۳)

(۳) الفتاوی العالمگیریۃ (۳/۲۹۴)
فمتی لم تکن المنفعۃ مشروطۃ ولا کان فیہ عرف ظاہر فلا باس بہ کذا فی الکافی، فی کتاب الحوالۃ۔

——— بدائع الصنائع (۷/۳۹۵)

——— الکافی لابن قدامہ (۲/۱۲۵)

۲- جہاں کہیں خوف عام ہو جائے تو وہاں سفتجہ کی گنجائش ہے۔ (۱)

آج کل ہمارے یہاں یہی صورت حال ہے، اس لئے ضرورت کے مقام پر مالکیہ اور حنابلہ مذہب کے مطابق عمل کی گنجائش ہے، جیسا کہ منی آرڈر کی بحث میں تفصیل گزر گئی۔

فریق دوم کے دلائل

۱- بعض صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ وغیرہ اس کو یا اس سے ملتی جلتی صورتوں کو جائز کہتے تھے۔ (۲)

۲- بعض تابعین مثلاً ابن سیرینؒ وغیرہ اس کے یا اس سے ملتی جلتی صورتوں کے جواز کے قائل تھے۔ (۳)

۳- سفتجہ کے جائز ہونے کی سب سے اہم دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس میں نفع جانبین سے ہے، یعنی صرف مقرض کے ساتھ نفع خاص نہیں، بلکہ جس طرح مقرض کو نفع حاصل ہوتا ہے، اسی طرح مستقرض کو بھی نفع حاصل ہوتا ہے، مثلاً مستقرض اپنے شہر میں جہاں اس کا مال رکھا ہوا ہے، ادائیگی کرتا ہے، تو اس کو بھی قطع طریق کے خطرہ کا فائدہ حاصل ہوا، جب نفع جانبین سے ہے تو اس کو شریعت منع نہیں کرے گی۔

چنانچہ علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:-

"والصحیح جوازہ لانہ مصلحۃ لھما من غیر ضرر بواحد منھما والشرع لا یرد بتحریم المصالح التی لا مضرۃ فیھا

---

(۱) الخرشی للعلامۃ الخرشی المالکی، بیروت، دار صادر (۵/ ۲۳۰)
"الا ان یعم الخوف ای الا ان یغلب الخوف فی جمیع طرق المحل الذی یذھب الیہ المقرض الخ"

(۲) مصنف عبد الرزاق: ۸/ ۲۰۰)

(۳) المغنی لابن قدامہ بحوالہ احکام الاوراق النقدیۃ والتجاریۃ للجعید (ص ۳۴۳)

فی ذلک بخلاف ہذہ المسئلۃ فان المنفعۃ مشترکۃ بینہما وہما متعاونان علیہا فہی من جنس التعاون والمشارکۃ"

"اور امام احمدؒ سے اس کا جواز منقول ہے، جس کو ابن المنذرؒ نے نقل کیا ہے، کیونکہ اس میں دونوں کی مصلحت ہے، صرف مقرض خاص نہیں،...... اور قرض میں جو منفعت ربا کا سبب بنتی ہے، وہ منفعت ہے، جو صرف مقرض کے ساتھ خاص ہو، مثلاً مستقرض کے گھر میں رہنا، اس کی سواری پر سوار ہونا، اس کو استعمال کرنا، اس کا ہدیہ قبول کرنا، ان چیزوں میں مستقرض کا کوئی فائدہ نہیں، بلکہ صرف مستقرض کو منفعت حاصل ہے، لیکن ان مسائل میں تو ان میں تو منفعت مشترک ہے، لہٰذا یہ تعاون اور مشارکت کے قبیل میں سے ہے۔"(1)

فقہائے کرام کی ان تمام نصوص کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک "کل قرض جر منفعۃ فہو ربا" میں منفعت سے مراد وہ منفعت ہے، جو صرف مقرض کے ساتھ خاص ہو، لیکن اگر منفعت مشترک ہو تو اس صورت میں وہ اس حدیث کے تحت داخل نہیں۔

مثل قشیر

لیکن یہ بات اس حدیث کے ظاہر کے بالکل خلاف ہے، اور اگر اس مطلب کو صحیح قرار دیا جائے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر ایک تاجر کسی سے قرض لے اور اس پر کچھ اضافے کی شرط بھی ہو تو یہ صورت جائز ہونی چاہیے، کیونکہ اس میں دونوں کی منفعت ہے، قرض دینے والے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو اپنے مال پر کچھ اضافہ مل جائے گا، اور تاجر کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اس کو تجارت میں لگا کر اس سے نفع حاصل کرے گا، اور یہ بہت ہی خطرناک بات

(1) شرح الحافظ ابن القیم علی سنن ابی داود مع عون المعبود، بیروت، دارالکتب العلمیۃ۔

ہے، اس لئے کہ اس سے آج کل سارے پیداواری قرضوں پر سود لینا جائز ہو جائے گا، جیسا کہ بعض متجددین کا بھی خیال ہے، اس لئے یہ تشریح نہایت کمزور ہے۔ اور اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔

تیسری یہ کہ امام ابن تیمیہؒ سے اس مسئلے میں جو کچھ منقول ہے، اول تو یہ ضروری نہیں کہ اس سے مراد یہی سفتجہ ہو، اور اگر یہی سفتجہ بھی مراد ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ غیر مشروط ہو یا عموم بلوی کی وجہ سے ہو، اس لئے اس سے مروجہ سفتجہ کے جواز پر استدلال کرنا زیادہ قوی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس مسئلے میں راجح یہی ہے کہ عام حالات میں سفتجہ مکروہ اور ناجائز ہے، البتہ اگر سفتجہ مشروط یا معروف نہ ہو یا سخت ضرورت ہو تو اس کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت بیع

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں یہ بات ہم عرض کر چکے ہیں کہ ایک ملک کے مختلف سکے اور کرنسی نوٹ ایک ہی جنس ہیں، اور مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف اجناس ہیں، کیونکہ موجودہ دور میں کرنسی نوٹوں سے ان کی قیمت اور مادہ (Material) مقصود نہیں ہوتا، بلکہ کرنسی نوٹ آج کل قوت خرید کے ایک مخصوص معیار (Standard) سے عبارت ہے، اور ہر ملک نے اس مسئلے میں الگ الگ معیار مقرر کئے ہیں، مثلاً پاکستان میں روپیہ، سعودی عرب میں ریال، امریکا میں ڈالر وغیرہ کا معیار الگ الگ ہے، جو ملکوں کے مختلف ہونے سے بدلتا رہتا ہے، ہر ملک کی کرنسی کی حیثیت کا تعین اس ملک کی قیمتوں کا اشاریہ (Index) اور اس کی درآمدات و برآمدات وغیرہ پر ہوتا ہے، اور درمیان میں ایسی کوئی مادی شئی موجود نہیں جو ان معیارات کو جوڑ دے، اور ان میں کوئی پائیدار "تناسب" (Proportion) قائم کرے، بلکہ ہر ملک کے اقتصادی حالات کے تغیر سے اس "تناسب" میں ہر روز بلکہ ہر گھڑی تغیر واقع ہوتا رہتا ہے، کرنسیوں کے اس اختلاف کی وجہ سے ہم ان کو ایک جنس نہیں

حضرات مالکیہ

ان کے نزدیک کرنسی اگرچہ اموالِ ربویہ میں سے ہے لیکن جنس مختلف ہونے کی وجہ سے تفاضل جائز ہو جاتا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

حضراتِ شافعیہ اور حنابلہ

ان کے نزدیک ایک ملک کی کرنسیوں کا تبادلہ بھی تفاضل کے ساتھ جائز ہے، تو مختلف ممالک کی کرنسیوں کا تبادلہ تفاضل کے ساتھ ان کے نزدیک بطریقِ اولیٰ صحیح ہوگا۔[1]

البتہ اس میں یہ ضروری ہے کہ:۔

۱۔ مجلسِ عقد میں کم از کم ایک کرنسی پر قبضہ ہو جائے، تا کہ بیع الکالئی بالکالئی لازم نہ آئے، جو احادیثِ مبارکہ کی رُو سے ناجائز ہے۔

۲۔ نیز بوقتِ بیع فروخت کئے جانے والی کرنسی قبضے میں ہو، تا کہ بیع قبل القبض لازم نہ آئے، جو احادیثِ مبارکہ کی رُو سے ناجائز ہے۔ لہٰذا بعض کرنسی مارکیٹوں میں کرنسیوں کی جو محض رسید کی بنیاد پر بیع و شراء ہوتی ہے، اور فرق برابر کیا جاتا ہے، یہ معاملہ درست نہیں۔

مختلف ممالک کی کرنسیوں میں ہنڈی کا حکم

مختلف ممالک کی کرنسیاں جب مختلف الاجناس قرار پائیں، اور ان میں نسء اور

(۱) احکام الاوراق النقدیۃ للعثمانی (ص ۴۲)
ــــــ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص ۳۸)
ــــــ احسن الفتاوی (فتوی بنوری ٹاؤن) (۹۸/۷)
ــــــ البنک اللاربوی فی الاسلام (ص ۱۳۸)
ــــــ جدید فقہی مباحث جلد چہارم

ادھار معاملہ کرنا درست ہوا تو جب نقدی کی شکل کے جواز میں کوئی شبہ نہیں رہا، مثلاً زید نے عمرو کو سعودی عرب میں ایک ہزار ریال دیئے ہیں اور یہ کہتا ہے کہ تم اس کے بدلے میں مجھے یا میرے عزیز کو پاکستان میں سولہ ہزار روپے دے دینا، یہ معاملہ فی نفسہ جائز ہے البتہ اس میں یہ ضروری ہے کہ ریال اسی مجلس میں قبضہ ہو جائے۔ لیکن اگر قانوناً اس کی اجازت نہ ہو جیسا کہ ظاہر بھی ہے تو اس صورت میں قانون کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا۔

چند شبہات اور ان کا ازالہ

۱- بعض لوگوں نے دو کرنسیوں کے باہمی تفاضل اور ادھار دینے کو سود کے زمرے میں داخل کرنے کی بات کی ہے۔ جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً آج ڈالر کا ریٹ ساٹھ روپے ہے۔ اسی حساب سے زید نے عمرو کو پچاس ڈالر ادھار بیچے تو گویا کہ زید نے عمرو کو آج:-

۵۰×۶۰=۳۰۰۰ روپے پاکستانی

دیئے اور عمرو ایک ماہ بعد ۶۲ روپے فی ڈالر کے حساب سے روپے ادا کر رہا ہے تو عمرو نے زید کو ایک ماہ بعد ادا کیا:-

۵۰×۶۲=۳۱۰۰ روپے پاکستانی

دے رہا ہے جس میں ایک سو روپے کا اضافہ ہے، جو سود سے ملتا جلتا ہے۔ (۱)

لیکن یہ اشکال قوی نہیں ہے، کیونکہ یہ اشکال ادھار کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ نقدی کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ روپے اور ڈالر جب مختلف الاجناس قرار پائیں تو اب اس میں تفاضل جائز ہے، خواہ نقدی شکل میں ہو یا ادھار کی شکل میں ہو، اور اس کو سود نہیں کہا جائے گا۔

۲- بعض علماء نے دو مختلف کرنسیوں کے باہمی تبادلے کو بیع صرف قرار دے کر

---

(۱) رسالہ بحث و نظر ص ۵۱، شمارہ اپریل، مئی، جون ۱۹۹۰ء، "استفسار" از ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی

سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة فاجاب بانه يجوز اذا قبض احد البدلين لما في البزازية.

"علامہ حانوتی سے فلوس کے بدلے سونے کو ادھار فروخت کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ جائز ہے، بشرطیکہ ایک بدل پر قبضہ ہو، کیونکہ بزازیہ میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص سو فلس ایک درہم کے بدلے خریدے، تو ایک جانب سے قبضہ کافی ہے، فرمایا: اسی طرح اگر فلوس کے بدلے چاندی یا سونے کو بیچا۔"

علامہ سرخسی کا رجحان بھی اسی طرف ہے، چنانچہ فرمایا:-

واذا اشترى الرجل فلوسا بدراهم ونقد الثمن ولم تكن الفلوس عند البائع فالبيع جائز، لان الفلوس الرائجة ثمن كالنقود، وقد بينا ان حكم العقد في الثمن وجوبها ووجودها معا ولا يشترط قيامها في ملك بائعها لصحة العقد كما لا يشترط ذلك في الدراهم والدنانير۔

"جب ایک آدمی دراہم کے بدلے میں فلوس خریدے، اور ثمن (دراہم ادا کئے) ادا کیے، اور فلوس بائع کے پاس نہیں تھے، تو یہ جائز ہے، کیونکہ فلوس رائجہ نقود کی طرح ثمن ہیں، اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ثمن میں عقد کا حکم صرف اس کا وجوب اور وجود ہے، اور ثمن کا بوقت عقد بائع کی ملکیت میں ہونا صحت عقد کے لئے ضروری نہیں، جیسے کہ یہ دراہم اور دنانیر میں یہ شرط نہیں ہے۔"(۱)

---

(۱) المبسوط للسرخسي (شمس الدين السرخسي) بيروت، لبنان، دار المعرفة، طبع ۱۴۰۶ھ، (۲۴/۱۴)

اور جب ایک جانب میں ثمن خلقی ہونے کے باوجود تقابض شرط نہیں، تو اگر کسی جانب بھی ثمن خلقی نہ ہو، بلکہ دونوں طرف کرنسی ہو، مثلاً پاکستانی روپیہ اور ڈالر، تو یہاں بطریق اولیٰ تقابض شرط نہ ہوگا۔

کرنسی کو سرکاری ریٹ سے کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا

آج کل روزانہ کرنسیوں کی قیمت مقرر کی جاتی ہے، اور باقاعدہ پرائس لسٹ جاری ہوتی ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں حکومت کی مقرر کردہ قیمت کی مخالفت کرتے ہوئے کمی بیشی کے ساتھ کرنسیوں کا تبادلہ جائز ہے؟ مثلاً ڈالر کا سرکاری ریٹ ۲۰ روپے ہو، اور کوئی ڈالر ۵۸ یا ۲۲ میں فروخت کرے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

اس بارے میں عرض یہ ہے کہ بذات خود اس کی گنجائش ہے، کیونکہ مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس قرار دے کر ان میں تفاضل جائز قرار دیا گیا ہے، اور تفاضل کی کوئی حد شریعت میں مقرر نہیں، اس لئے فی نفسہ اس معاملے کو جائز کہا جائے گا، اور یہ معاملہ سودی نہیں ہوگا، لیکن درج ذیل وجوہات کی بناء پر اس سے احتراز لازم ہے:۔

۱۔ یہ طریقہ کہیں حیلۂ ربا نہ بنایا جائے۔

۲۔ "تسعیر" (حکومت کا نرخ مقرر کرنا) کی وجہ سے، جس طرح دیگر اشیاء میں بعض حالات میں تسعیر جائز ہے، اسی طرح کرنسی میں بھی تسعیر جائز ہوگی، اور تسعیر کے بعد لوگوں کے لئے اس کی مخالفت درست نہ ہوگی، اور اس کی دو وجوہات ہیں:۔

الف: مشہور قاعدہ ہے کہ جو کام معصیت اور گناہ نہ ہوں، ان میں حکومت کی اطاعت واجب ہے۔

ب:۔ جو شخص جس ملک میں رہ رہا ہے، وہ قولاً یا عملاً اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ جب تک اس ملک کے قوانین کسی گناہ کرنے پر مجبور نہیں کریں گے، وہ ان قوانین کی ضرور پابندی کرے گا۔[1]

(۱) کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص ۲۰)۔

مختلف ممالک کی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت قرض

جب ایک ہی ملک کی کرنسیوں کا تبادلہ بصورت قرض جائز ہے، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی، تو مختلف ممالک کی کرنسیوں کا تبادلہ بصورت قرض بطریق اولیٰ درست ہوگا، مثلاً اگر زید آج عمرو سے ایک ماہ کے لئے سو ڈالر قرض لیتا ہے، اور ایک ماہ کے بعد زید عمرو کو ڈالر کی بجائے پاکستانی روپیہ دیتا ہے، تو یہ جائز ہے، اب ایک ماہ کے بعد زید جو عمرو کو ڈالر کی بجائے پاکستانی روپیہ دیتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں:-

الف:- ایک صورت یہ ہے کہ شروع میں یہ معاہدہ ہو جاتا ہے کہ زید عمرو کو ایک ماہ بعد ڈالر کی بجائے پاکستانی روپیہ دے گا۔

ب:- دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے سے اس طرح کوئی معاہدہ نہیں، مقررہ تاریخ آنے پر دونوں کی باہمی رضامندی سے اس طرح کیا جاتا ہے۔

دوسری صورت کے درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور پہلی صورت بھی درست ہے، البتہ شرط فاسد ہوگی، کیونکہ قرض ان معاملات میں سے ہے، جو شرط فاسد کی وجہ سے فاسد نہیں ہوتے، بلکہ شرط فاسد خود بخود فاسد ہو جاتی ہے، پہلی صورت میں جب شرط فاسد ہوگئی اور کالعدم ہوگئی، تو زید مقررہ تاریخ پر عمرو کو ڈالر بھی دے سکتا ہے، اور عمرو زید کو مقررہ تاریخ پر اس بات پر مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ حسب معاہدہ پاکستانی روپیہ ہی ادا کرے گا۔

قرض کے اس معاملے میں یوم الاداء کی قیمت کا اعتبار ہوگا، (یعنی جس دن زید عمرو کو سو ڈالر کے بدلے پاکستانی روپیہ ادا کرے گا، اس دن کے ریٹ کا اعتبار ہوگا) اور زید کے لئے جائز نہ ہوگا، کہ وہ عمرو کو یوم الاداء کی قیمت سے کم یا زیادہ دے، مثلاً جس دن عمرو نے زید کو سو ڈالر دیئے اس دن ڈالر کی قیمت ۲۰ روپے ہے، لیکن جس دن زید قرض ادا کرتا ہے، اس دن ڈالر کی قیمت ۲۲ روپے ہے، تو زید عمرو کو ۲۲ کے حساب سے پاکستانی

روپے کی ادائیگی کرے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ قرض کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ:۔

القروض تقضی بامثالہا

یعنی" قرض کی مثل ادا کرنا ضروری ہے۔"

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اشاریہ (Indexation) کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"لان القروض یجب فی الشریعة الاسلامیة ان تقضی بامثالہا"

"شریعتِ اسلامیہ کی رُو سے ضروری ہے کہ قرض کی مثل ادا کی جائے۔"(۱)

اس اصول کا تقاضا یہ ہے کہ ایک ماہ بعد عمرو کو ایک سو ڈالر دیدے، کیونکہ اصل مثل تو ڈالر ہی ہے، لیکن جب اس کو ڈالر نہیں دیتا، تو اس دن سو ڈالر کے برابر پاکستانی روپے واپس کرے، اگر ۶۰ روپے کے حساب سے زید ادائیگی کرتا ہے، تو اس نے سو ڈالر نہیں ادا کیے، بلکہ کم ادا کر دیے، جو کہ جائز نہیں۔

البتہ ۶۲ روپے فی ڈالر سے زیادہ لینا دینا جائز نہیں ورنہ قرضے پر اضافہ ہو جائے گا، اور "مثلیت" باقی نہیں رہے گی۔

خلاصہ یہ کہ زید کے ذمہ ایک ماہ کے بعد سو ڈالر دینے ہیں، سو ڈالر سے کم یا زیادہ دینا جائز نہیں، ورنہ "مثلیت" باقی نہیں رہے گی، اگر ریٹ ۶۲ روپے ہے، اور زید ۶۰ کے حساب سے ادائیگی کرتا ہے، تو ۶۰ کے حساب سے جتنے پاکستانی روپے ہیں، ان میں سو ڈالر نہیں آ سکتے، تو اس صورت میں کمی واقع ہو گئی، اور اگر ریٹ ۶۲ روپے ہے، اور زید ۶۳ کے حساب سے ادائیگی کرتا ہے، تو اس حساب سے سو ڈالر سے زیادہ آئیں گے، دونوں صورتوں

---

(۱) احکام الاوراق النقدیہ، ص: ۳۱۔

میں "مطلیت" جو مطلوب ہے، باقی نہیں رہتی۔

اس مسئلے میں قرض اور بیع میں فرق ہے، بیع میں کمی بیشی فی نفسہ جائز ہے، وہ الگ بات ہے کہ دوسرے عوامل کی وجہ سے یہ بھی ناجائز ہے، لیکن اس کو بہرحال سودی معاملہ نہیں کہا جائے گا، لیکن قرض میں یہ صورت جائز نہیں کیونکہ قرض میں کمی بیشی ناجائز ہے۔

اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر زید مثلاً عمرو کو سعودی عرب میں ایک ہزار ریال قرض دیدے، اور عمرو اس کے بدلے پاکستان میں ایک ہزار ریال کے برابر پاکستانی روپیہ زید یا اس کے کسی ایجنٹ یا کسی عزیز کو ادا کرے، تو فی نفسہ اس کی اجازت ہے، البتہ اگر قانون میں ممنوع ہو تو قانون کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا۔

نیز اس پر سفتجہ والا اشکال ہوگا، اس کا جواب پیچھے گزر چکا ہے۔

فائدہ:۔ اوپر جو تفصیل گزری کہ یوم الاداء کی قیمت کا اعتبار ہے، اس سے کمی بیشی ناجائز ہے، اس کی بیشی سے مراد وہ کمی بیشی ہے جو قیمت مثل سے کم مقابلے میں ہو، اور قیمت مثل کی تین صورتیں ہیں:۔

۱۔ بینک ریٹ کے مطابق۔

۲۔ اوپن مارکیٹ ریٹ کے مطابق۔

۳۔ ان دونوں کے درمیان والا ریٹ۔

مثلاً بینک ریٹ ۶۰ روپے ہے، مارکیٹ ریٹ ۶۲ روپے ہے، تو اس میں اختیار ہے کہ ۶۰ کے حساب سے ادا کریں، یا ۶۲ کے حساب سے ادا کریں، یا ۶۱ کے حساب سے ادا کریں، لیکن ۵۹ کے حساب سے یا ۶۳ کے حساب سے ادائیگی جائز نہیں۔

کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورتِ معاہدہ/مواعدہ

جو بینک اور ادارے اسلامی اور شرعی اصولوں کے مطابق کاروبار کرتے ہیں، وہ یہ

طریقہ درآمدات اور برآمدات میں بطور ''اسلامی متبادل'' (Islamic Alternative)
استعمال کرتے ہیں۔ تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو:۔

درآمد/برآمد کنندگان کے لئے ایل سی (LC) اور امپورٹ/ایکسپورٹ کنٹریکٹ
کے تحت فارن ایکسچینج کور کی سہولت فراہم کی جاتی ہے۔ یہ سہولت فراہم کرنے کی بہت اہمیت
ہے، کیونکہ موجودہ دور میں کرنسیوں کی قیمتوں کے وقتاً فوقتاً اتار چڑھاؤ کی وجہ سے
درآمد کنندگان اور برآمد کنندگان کو نفع و نقصان کا تخمینہ لگانا، اور اپنے آپ کو ممکنہ نقصان سے
بچانا اور تجارت جاری رکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے بینک فارن ایکسچینج کور کی
سہولت فراہم کرتے ہیں تاکہ مستقبل میں ڈالر خریدنے اور بیچنے میں نقصان نہ ہو۔ یہ بات
واضح رہے کہ درآمد کنندگان کو درآمد کردہ اشیاء کی قیمت ڈالر یا زرمبادلہ میں درآمد شدہ سامان
کے کاغذات کے وصول ہونے کے بعد برآمد کنندہ کو ادا کرنے ہوتے ہیں، جس کے لئے ڈالر یا
زرمبادلہ خریدنا ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف برآمد کنندگان کو اپنے برآمد کردہ سامان کی قیمت
وصول ہوتی ہے، جس کی فروخت کرکے وہ پاکستانی روپے حاصل کرتے ہیں۔

فارورڈ کور کنٹریکٹ

موجودہ سودی نظام میں درآمد/برآمد کنندگان ایل سی (LC) کھولنے کے بعد
غیر ملکی کرنسیوں کی خرید و فروخت کے لئے ''فارورڈ کور کنٹریکٹ'' کسی بینک کے ساتھ
مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ کر سکتا ہے:۔

۱۔ اس کنٹریکٹ کی مدت کم از کم ایک ماہ ہو۔

۲۔ اگر ایک ماہ سے پہلے ادائیگی کرنی ہو تو جس دن ادائیگی کرنی ہو، اس دن
کے اسپاٹ (Spot) یعنی نقد (انٹر بینک) ریٹ کے حساب سے ادائیگی کی جائے گی۔
فارورڈ کور کنٹریکٹ مقررہ تاریخ پر مروجہ طریقہ کار کے مطابق ختم کی جائے گا۔

سے ۶۱ روپے کے حساب سے آج سے ۹۰ دن کے بعد فروخت کرنے کا وعدہ کر لیتا ہے، معاہدے کے تحت میزان بنک تین ماہ کے بعد امپورٹر سے فروخت کرنے کا حقدار ہوگا، وہ ۶۱ ملین روپے کے عوض ایک ملین ڈالر دے گا۔

اب یہاں پر دو صورتیں پیش آسکتی ہیں جو طریقہ اول میں "الف" اور "ب" کے عنوان سے ذکر کیں۔

"الف" تو واضح ہے، اور "ب" کی صورت میں میزان بنک وہ معاہدہ جو امپورٹر کے ساتھ کیا گیا تھا، مندرجہ ذیل طریقے سے ختم کیا جائے گا۔

۱۔ میزان بنک، سٹینڈرڈ چارٹرڈ بنک کے ساتھ وعدہ کو کنفرم کرے گا کہ میزان بنک کو وہ ڈالر جو اسے حبیب بنک سے ۹۰ دن پر ملے ہیں، اور جن کی اب امپورٹر کو ضرورت نہیں رہی، وہ ڈالر سٹینڈرڈ چارٹرڈ بنک کو فروخت کرنے کا فیصلہ کرتا ہے کیونکہ ریٹ ۵۹ روپے فی ڈالر ہو گیا ہے۔

۲۔ معاہدے کی خلاف ورزی کی وجہ سے میزان بنک امپورٹر سے اپنا نقصان پورا کرنے کی حد تک وصول کرے گا، اس مثال میں میزان بنک امپورٹر سے ۲ روپے فی ڈالر (۶۱-۵۹=۲) چارج کرے گا۔

۳۔ ۹۰ دن بعد میزان بنک حبیب بنک سے ڈالر ۶۱ روپے کے حساب سے حاصل کرے گا، اور ۵۹ روپے کے حساب سے سٹینڈرڈ چارٹرڈ بنک کو فروخت کرے گا۔

پہلے طریقے میں جو وعدہ ہے اس میں مستقبل کی طرف بیع کی نسبت ہوتی ہے، جو شرعاً ناجائز ہے، نیز اس میں بیع صرف کی خرابی بھی ہے، ان سے بچنے کے لئے دوسرا طریقہ تجویز کیا گیا ہے جس میں بیع صرف کی خرابی بھی نہیں، اور مستقبل کی طرف بیع کی نسبت نہیں بلکہ صرف وعدہ ہے۔

وفي القوانين الفقهية

الفرع الخامس يكره الوعد في الصرف على المشهور وقيل يجوز وقيل يمنع۔[1]

مجمع الفقہ الاسلامی کی قرارداد میں وعدہ کی قانونی حیثیت:

قرارات مجمع الفقه الإسلامي

ثالثاً: المواعدة وهي التي تصدر من الطرفين تجوز في بيع المرابحة بشرط الخيار للمتواعدين كليهما او احدهما فإذا لم يكن هناك خيار فإنها لا تجوز لأن المواعدة الملزمة في بيع المرابحة تشبه البيع نفسه حيث يشترط عندئذ أن يكون البائع مالكاً للمبيع حتى لا تكون هناك مخالفة لنهي النبي ﷺ عن بيع الإنسان ما ليس عنده۔[2]

هيئة المراجعة والمحاسبة للمؤسسات المالية الإسلامية بحرين کی مجلس شرعی نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

لا يجوز أن تتضمن وثيقة الوعد او ما في حكمها على مواعدة ملزمة للطرفين (المؤسسة والعميل) لأنها تشبه حينئذ عقود البيع نفسه قبل التملك۔[3] ويجوز إصدار المواعدة من المؤسسة والعميل الآمر بالشراء إذا كانت بشرط الخيار للمتواعدين كليهما او أحدهما۔[4]

---

(۱) القوانين الفقهية، الجزي، أبو القاسم محمد بن محمد أحمد الجزي المالكي المتوفى ٧٤١هـ، بيروت، دار الفكر، طبعة [illegible] ص [illegible]

(۲) قرارات، قرار [illegible]، جدة، السعودية العربية۔

(۳) المعايير الشرعية، صيغة المرابحة للآمر بالشراء، بحرين [illegible]

اور "المعاییر الشرعیة" میں ہے :-

تحرم المواعدة في المتاجرة في العملات اذا كانت ملزمة للطرفين ولو كان ذلك لمعالجة مخاطر هبوط العملة، اما الوعد من طرف واحد فيجوز ولو كان ملزما۔[1]

اور اسی میں ایک اور جگہ ہے :-

تحريم المواعدة الملزمة في مبادلة العملات هو ما عليه جمهور الفقهاء لان المواعدة الملزمة من طرفي المبادلة تشبه العقد الخ[2]

مذکورہ عبارات خلاصہ

ان حضرات کی مذکورہ بالا عبارات کا حاصل یہی ہے کہ دو طرفہ وعدہ اس عقد کے مشابہ ہے جو فی الحال ناجائز ہوتا ہے، مثلاً دو طرفہ وعدہ بیع جس میں بیع مستقبل میں واقع پذیر ہوگی، اس لئے ناجائز ہے کہ یہ اس بیع کے مشابہ ہے جس میں مبیع ابھی بائع کی ملکیت میں نہ آئی ہو، جس کی وجہ سے بیع مستقبل کی طرف مضاف ہو، لہٰذا یہ بیع فی الحال ناجائز ہوگی، کیونکہ اس میں بیع مالیس عندک (یعنی ایسی چیز کی فروختگی جو بائع کی ملکیت میں نہ ہو) یا بیع قبل القبض لازم آتی ہے۔ جو ناجائز ہے۔ اور چونکہ مواعدہ بھی ایسے وقت میں کیا جارہا ہے جب بائع کے پاس مبیع موجود نہیں ہے لہٰذا یہ اس بیع کی مانند ہوگی جو قبضے سے قبل کی جائے۔

دوسرا قول

دوسرا قول یہ ہے کہ دو طرفہ وعدے کو صرف مواقع حاجت میں فریقین پر قضاءً لازم کیا

---

(۱) المعاییر الشرعیة، بحرین، ص ۱۸

(۲) المعاییر الشرعیة، ص ۲۵

[illegible]

فتاویٰ خانیہ علی ہامش الہندیہ۔

وان ذكر البيع من غير شرط ثم ذكر الشرط على وجه
المواعدة جاز البيع ويلزمه الوفاء بالوعد لان المواعدة
قد تكون لازمة فتجعل لازمة لحاجة الناس.(١)

وفي شرح المجلة للاتاسي

وان ذكر البيع من غير شرط ثم الشرط على وجه
المواعدة فالبيع جائز ويلزمه الوفاء بالوعد لان المواعدة
قد تكون لازمة فتجعل لازمة لحاجة الناس. وقال
بعد اسطر وان ذكر البيع بلا شرط ثم ذكر الشرط على
وجه المواعدة جاز البيع ولزمه الوفاء وقد يلزم الوعد
فيجعل هنا لازما لحاجة الناس اليه.(٢)

از تحویل النقود [illegible]:-

الصورة الخامسة هي المواعدة على الصرف وذلك بان
يتفق العميل مع المصرف على ان يشتري منه بعد شهر
مثلا نقدا بالآخر كالدولار بالاسترليني او بالريال، فاذا
حل الاجل المضروب للصرف ابرما عقد الصرف بينهما
وتقابضا بسعر الحاضر — ويلجأ التجار عادة الى هذه الصورة

---

(١) الفتاوى الخانية على هامش الهندية ٢: ١٦٥

(٢) شرح المجلة للاتاسي العلامة محمد خالد الاتاسي پاکستان کوئٹہ مکتبہ اسلامیہ
٢: ٤٠١

اس مسئلے پر بحث کے دوران فرماتے ہیں:-

وان عبارة قاضي خان رحمه الله بصفة خاصة صريحة في ان المواعدة يمكن ان تجعل لازمة عند الحنفية لحاجة الناس، والمواعدة انما تكون من الطرفين فتبين انه لا بأس بجعلها لازمة عند الحنفية لحاجة الناس، ولا شك ان الحاجة في الزام المواعدة ظاهرة الخ"

"اور قاضی خان کی عبارت ایک خاص صفت کے ساتھ اس مسئلے میں صریح ہے کہ مواعدہ کو لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے حضرات حنفیہ کے نزدیک لازم قرار دیا جا سکتا ہے، اور مواعدہ طرفین سے ہوتا ہے، تو یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حنفیہ کے نزدیک مواعدہ کو لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے لازم قرار دے سکتے ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مواعدہ کو لازم قرار دینے میں ضرورت بالکل واضح ہے۔"(۱)

مناقشہ اور ترجیح

ان دونوں قولوں میں سے ہمارے نزدیک دوسرا قول راجح ہے، کیونکہ مسئلہ منصوص تو ہے نہیں، بلکہ اجتہادی ہے، لہٰذا اس بات کا تقاضا یہ ہے کہ وعدہ کو قضاءً لازم قرار دیا جائے، لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ مواعدہ کا لزوم صرف مواقع ضرورت میں ہے، اور مواقع ضرورت سے مراد یہ ہے کہ وعدے کی خلاف ورزی کی صورت میں کسی ایک فریق کا نقصان ہوتا ہے۔

جو قول اول نے جو دلیل پیش کی ہے کہ اس صورت میں دو طرفہ وعدہ عقد مستقبل کے مشابہ ہو جائے گا، اور ایک ایسی چیز کا مواعدہ لازم آجائے گا، جو ابھی تک وعدہ

(۱) عقود التوريد والمناقصة، مخطوطة جامعة دار العلوم كراچی، ص ۲

٣- اور اگر ان میں سے کسی بینک نے وعدہ پورا کرنے سے انکار کیا، جس کی وجہ سے دوسرا فریق حقیقی مالی نقصان میں مبتلا ہوگیا، تو اس صورت میں حاکم یا قاضی اسے اس حقیقی نقصان کی تلافی پر مجبور کرے گا، اور اس مسئلے میں درج ذیل حدیث سے استدلال کیا گیا ہے:

"لا ضرر ولا ضرار في الإسلام"

"اسلام میں نہ ضرر ہے، اور نہ کسی کو ضرر پہنچانا ہے۔"(١)

لہٰذا ثابت ہوگیا کہ کرنسیوں کا تبادلہ بصورت معاہدہ مواعدہ راجح قول کے مطابق درست ہے۔

کرنسی کے کاروبار کی ایک نئی اور عام شکل

عالمی مارکیٹ میں کرنسی کا کاروبار ہوتا ہے، جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ امریکا سے پوری دنیا میں مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کی قیمتوں کا اجراء ہوتا ہے، ایک آدمی لاہور پاکستان میں بیٹھ کر انٹرنیٹ کے ذریعے کمپیوٹر سکرین پر وہ قیمتیں وصول کرتا ہے، قیمتیں ملکی حالات کی وجہ سے کم زیادہ ہوتی رہتی ہیں، یہ آدمی ان قیمتوں پر کرنسی کی خرید و فروخت کرتا ہے، لیکن یہ آدمی قانونی لحاظ سے براہ راست یہ کاروبار نہیں کرسکتا، بلکہ کسی کمپنی کے ذریعے یہ کاروبار کرتا ہے، کمپنی نے ایک اصول وضع کیا ہوتا ہے، مثلاً دس ہزار ڈالر کی ایک لاٹ ہوتی ہے، جو آدمی خرید کر پھر اس کو فروخت کرسکتا ہے، لیکن اس آدمی کو صرف اس کا دس فیصد کمپنی کو اپنے نام پر جمع کروانا ہوتا ہے، جو کہ صرف ١٠٠٠ ڈالر بنتا ہے، ایک ہزار ڈالر سے اپنا اکاؤنٹ کھلوا کر اب یہ آدمی اس قابل ہوجاتا ہے کہ دنیا کی مارکیٹ میں یہ آدمی ایک لاٹ خرید سکتا ہے، اس آدمی کی طرف سے بقیہ رقم بطور ضمانت کمپنی جمع کرواتی ہے، تو اس طرح اس آدمی کا حساب ایک ہزار ڈالر سرمایہ کاری ہوئی، لیکن یہ آدمی کاروبار دس ہزار ڈالر کا کررہا ہوتا ہے، یعنی یہ آدمی دس ہزار ڈالر کرنسی کی خرید و فروخت کرسکتا ہے۔

(١): الدراية في تخريج أحاديث الهداية (٢/٢٨٢)

باب ششم

قدر زر (Value)

قدر زر

پرانے زمانے میں کرنسی یا زر کا تعلق سونے چاندی کے ایک مخصوص معیار کے ساتھ ہوتا تھا۔ جب سونے چاندی کا یہ معیار بڑھتا تو کرنسی یا زر کی قیمت بھی بڑھتی، اور جب سونے چاندی کا یہ معیار گھٹتا تو کرنسی یا زر کی قیمت بھی گھٹتی تھی۔ اب چونکہ کرنسی یا زر سونے چاندی سے بالکل لاتعلق ہو گیا ہے، اور سونے چاندی کے ساتھ زر کا کوئی تعلق نہیں رہا تو اب کرنسی یا زر کی قیمت (قدر) کے بڑھنے اور گھٹنے کا تعلق سونے چاندی کے ساتھ نہیں رہا بلکہ اس کا معیار اور مقرر ہونا ''اشیاء'' (Goods Commodities) کی قیمتیں ہیں۔ اب قدر زر ''قوت خرید'' (Purchasing Power) سے عبارت ہے، یعنی وہ قوت جس کی بدولت زر اپنے عوض دوسری اشیاء و خدمات (Services) حاصل کر سکتا ہے۔

زر بذات خود تو کسی افادیت کا مالک نہیں ہوتا۔ اس کی طلب محض اس لئے کی جاتی ہے کہ اس کی مدد سے دوسری اشیاء اور خدمات حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اگر زر ایک مخصوص مقدار کے عوض زیادہ اشیاء اور خدمات حاصل کرے تو زر کی قدر زیادہ ہوگی، اور زر اس مخصوص مقدار کے عوض کم اشیاء اور خدمات حاصل کرے تو زر کی قدر کم ہوگی۔ مثال کے طور پر:

۳۰ روپے = تین کلو آٹا (۲۰۰۰ء)

مختلف آراء کا استعمال کرتے ہیں، صرف انقطاع کے لفظ پر اکتفاء نہیں کرتے، جیسا کہ عباراتِ فقہاء سے واضح ہو جائے گا۔

مذاہبِ فقہاء

انقطاع کے بارے میں حضرت امام اعظمؒ کا ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں بیع فاسد ہو جائے گی لیکن دوسرا قول جو مفتیٰ بہ ہے، وہ صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہ کا بھی مذہب ہے کہ انقطاع سے بیع فاسد نہیں ہوتی۔ چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

ان انقطعت بأن لا توجد في السوق ولو وجدت في يد الصيارفة أو في البيوت، فقيل: يفسد البيع، وقيل: تجب في آخر يوم الانقطاع وهو المختار۔

"اگر زر منقطع ہو اس طرح کہ بازار میں دستیاب نہ ہو، صرافوں کے پاس یا گھروں میں موجود ہو، تو کہا گیا ہے کہ بیع فاسد ہو جائے گی، اور کہا گیا ہے کہ جس دن انقطاع ہوا تھا اس آخری دن میں اس کی جو قیمت تھی وہ قیمت واجب ہوگی، اور یہی قول مختار ہے۔"(۱)

علامہ شامیؒ مزید فرماتے ہیں:

"فإن انقطع ذلك فعليه من الذهب والفضة قيمته في آخر يوم انقطع وهو المختار۔"

اگر زر منقطع ہو گیا تو اس کے ذمہ سونے یا چاندی کی قیمت واجب ہے جس میں یوم الانقطاع کا اعتبار ہوگا، اور یہی راجح ہے۔(۲)

اور علامہ شامیؒ اپنے ایک رسالے میں فرماتے ہیں:

---

(۱) العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية، شامي، علامه محمد امين المعروف بابن عابدين، بيروت، دار المعرفة، طبع دوم، (۱/۲۸۰)۔

(۲) رد المحتار، ۵:۲۰۔

"وان انقطع بحیث لا یقدر علیها فعلیه قیمتها فی آخر یوم انقطع من الذهب والفضة هو المختار۔"

"اگر زر منقطع ہوگیا، یہاں تک کہ وہ عاجز ہوگیا، تو اس پر اس کی قیمت سونے چاندی میں سے واجب ہے، جس میں یوم الانقطاع کا اعتبار ہے، اور یہی راجح ہے۔"[1]

اسی رسالے میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں:۔

"وان انقطعت تلک الدراھم الیوم کان علیه قیمة الدراھم قبل الانقطاع عند محمد وعلیه الفتوی۔"

"اور اگر وہ درہم آج منقطع ہوگئے، تو اس کے ذمہ انقطاع سے قبل درہم کی جو قیمت تھی وہ واجب ہے، یہ امام محمدؒ کا موقف ہے، اور اسی پر فتوی ہے۔"[2]

امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور حنابلہؒ کے نزدیک انقطاع کے وقت قیمت واجب ہوتی ہے، اور عقد فاسد برقرار رہتا ہے، اتنی بات پر ان سب کا اتفاق ہے، البتہ اختلاف اس میں ہے کہ اس سلسلے میں کس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟

مالکیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق فیصلے کے وقت جو زر منقطع کی جو قیمت ہوگی، وہ واجب ہوگی۔

شافعیہ کے نزدیک جس وقت بائع مشتری سے ثمن کا مطالبہ کرے گا، اس وقت زر منقطع کی جو قیمت ہوگی، اس کا اعتبار ہوگا، اور اگر بیع مؤجل ہے تو جب ادائیگی کی مقررہ تاریخ آجائے تو اس وقت زر کی جو قیمت ہوگی، اس کا اعتبار ہوگا۔

---

(1) تنبیه الرقود علی مسائل النقود ضمن رسائل ابن عابدین، لاهور، پاکستان، سهیل اکیڈمی ۱۳۹۶ھ، (۵۸/۲)

(2) تنبیه الرقود علی مسائل النقود: ۲/۶۰۔

حنابلہ اور امام محمدؒ کے نزدیک یوم الانقطاع کی قیمت کا اعتبار ہوگا، یعنی جس دن زر منقطع ہوا ہے، اس سے ایک دن پہلے زر کی جو قیمت تھی، اس کا اعتبار ہوگا، البتہ حنابلہ کے ہاں اگر وہ مثلی ہے، اور مثل دستیاب ہے تو مثل واجب ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یوم المعاملہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا، یعنی جس دن عقد ہوا تھا اس دن اس زر کی جو قیمت تھی، اس کا اعتبار ہوگا۔

خلاصہ درج ذیل ہے:۔

امام ابوحنیفہؒ	=	بیع فسخ / فاسد
مالکیہ	=	وقتِ فیصلہ کی قیمت
شافعیہ	=	وقتِ مطالبہ کی قیمت
حنابلہ + امام محمدؒ	=	وقتِ انقطاع
امام ابویوسفؒ	=	وقتِ معاملہ / عقد

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:۔

"واما الکساد والانقطاع فالذی یظهر ان البیع لا یفسد اجماعا اذا سمیا نوعا منه وذلك لانهم ذكروا في الدراهم التي غلب غشها ثلاثة اقوال: الاول: قول ابي حنيفة بالبطلان والثاني. قول الصاحبين بعدمه وهو قول الشافعي واحمد، لكن قال ابويوسف عليه قيمتها وقت البيع وقال محمد: يوم الانقطاع، وفي الذخيرة: الفتوى على قول ابي يوسف وفي التتمة والمختار والحقائق بقول محمد يفتي رفقا بالناس۔"

"کساد اور انقطاع میں بظاہر بالاتفاق بیع فاسد نہیں ہوتی، جبکہ عاقدین زر کی ایک خاص قسم ذکر کریں، اور یہ اس وجہ سے کہ

"وقال الدردير: المعتمد ان القيمة تعتبر يوم الحكم... وقال الخرشي: ان عدمت فالواجب على من ترتبت عليه قيمته مما تجدد وظهر، وتعتبر قيمتها وقت ابعد الاجلين عند تخالف الوقتين من العدم والاستحقاق ... وفي شرح الزرقاني: وهذا كله على مختار المصنف خليل هنا تبعا لابن الحاجب تبعا للخمي وابن محرز، والذي اختاره ابن يونس وابو حفص ان القيمة تعتبر يوم الحكم، قال ابو الحسن الشاذلي: وهو الصواب، وقال البرزلي: وهو ظاهر المدونة"(۱)

اس پوری عبارت کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ مالکیہ کے ہاں انقطاع کی صورت میں دو قول ہیں: ایک یہ ہے کہ یوم الاستحقاق اور یوم العدم میں جو دور ہوگا، اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا، یوم الاستحقاق سے مراد یہ ہے کہ جس دن ادائیگی ضروری ہے، اور یوم العدم کا مطلب یہ ہے کہ جس دن وہ کرنسی منقطع ہوگیا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یوم الحکم کا اعتبار کی قیمت کا اعتبار ہے، اور یہی قول ان کے نزدیک راجح اور درست ہے، جیسا کہ شرح زرقانی کی مذکورہ عبارت سے واضح ہے۔

شافعیہ

ان کے ہاں انقطاع کی صورت میں یوم العقد یا یوم المطالبہ کی قیمت واجب ہوتی ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ وہ مثلی نہ ہو، ورنہ مثلی ہونے کی صورت میں مثل واجب ہے۔

علامہ رملی فرماتے ہیں:

---

(۱) حاشية الدسوقي (۳/۶۲)، الخرشي على الخليل (۵/۵۵)، شرح الزرقاني على مختصر خليل (۵/۶۰)

"اور کساد یہ ہے کہ زر کے ساتھ تمام شہروں میں معاملہ ترک کیا جائے۔"

انقطاع اور کساد میں معنی یہ فرق ہوا کہ انقطاع میں زر نایاب اور معدوم ہو جاتا ہے، اور کساد میں زر رہتا ہے، لیکن لوگ اس کے ساتھ تعامل ختم کر دیتے ہیں، چنانچہ کساد کی وجہ سے زر اصطلاحی کی ثمنیت بالکل ختم ہو جاتی ہے اور وہ سامان کے حکم میں ہو جاتا ہے۔

حضرات حنفیہ کے ہاں انقطاع اور کساد میں حکماً کوئی فرق نہیں، چنانچہ:-

۱- امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر تمام شہروں میں تعامل ترک ہو جائے تو معاملہ بیع فاسد ہو جائے گا۔ البتہ اگر بعض شہروں میں تعامل باقی ہو، تو اس صورت میں بعض عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ فسخ سمجھا جائے گا، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں معاملہ فاسد نہیں ہوگا۔

بیع فاسد ہونے کی صورت میں اگر مبیع موجود ہو تو مشتری پر مبیع واپس کرنے کا، اور مبیع موجود نہ ہو تو اگر مثلی ہے یعنی مکیلات یا موزونات کے قبیل میں سے ہے تو اس کی مثل واپس کرے گا، اور اگر مثلی نہیں ہو تو اس کی قیمت واپس کرے گا۔

البتہ اگر معاملہ قرض کا ہو، یا بیوی کے مہر کا ہو، تو وہی زر واپس کرنا ہوگا، اگرچہ کھوٹا ہو۔

۲- حضرات صاحبین کے نزدیک اس صورت میں بیع فسخ نہیں ہوگی، البتہ بائع کو فسخ بیع کا اختیار رہے گا، اور بیع فسخ نہ ہونے کی صورت میں مشتری کے ذمہ اس کی قیمت واجب ہوگی۔ اب قیمت کی تعیین میں دونوں حضرات میں اختلاف ہو گیا:-

الف:- امام ابو یوسف کے نزدیک وقت عقد کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

ب:- امام محمد کے نزدیک یوم انقطاع کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ یہاں بھی صحیح اور راجح قول امام محمد کا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے ہاں حکم کے اعتبار سے انقطاع اور کساد میں

کوئی فرق نہیں۔

چنانچہ اس سلسلے میں علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

"والانقطاع عن أيدي الناس كالكساد"

اسی صفحہ پر آگے فرماتے ہیں:-

"والانقطاع كالكساد"

دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہوا کہ انقطاع بھی کساد کی طرح ہے۔ (۱)

مسئلہ کساد کے سلسلے میں ہم یہاں علامہ کاسانی کی عبارت مع ترجمہ نقل کرتے ہیں، جو نہایت ہی جامع ہے:-

"ولو اشترى بفلوس نافقة ثم كسدت قبل القبض انفسخ عند ابي حنيفة رحمه الله وعلى المشتري رد المبيع ان كان قائما وقيمته او مثله ان هالكا، وعند ابي يوسف ومحمد رحمهما الله . لا يبطل البيع، والبائع بالخيار ان شاء فسخ البيع وان شاء اخذ قيمة الفلوس۔

وحجة ابي حنيفة. ان الفلوس بالكساد خرجت عن كونها ثمنا لان ثمنيتها ثبتت باصطلاح الناس، فاذا ترك الناس التعامل بها عددا فقد زال عنها صفة الثمنية، ولا بيع بلا ثمن، فينفسخ ضرورة

وحجة ابي يوسف ومحمد: اولا: ان الفلوس في الذمة وما في الذمة لا يحتمل الهلاك، فلا يكون الكساد هلاكا بل يكون عيبا فيها يوجب الخيار، ان شاء فسخ البيع، وان شاء اخذ قيمة الفلوس---

(۱) رد المحتار

اور حضرات صاحبینؒ کی پہلی دلیل یہ ہے کہ فلوس واجب فی الذمہ ہیں، اور جو چیز واجب فی الذمہ ہو، وہ ہلاک نہیں ہوتی، لہٰذا کساد ہلاک نہیں ہوگا، البتہ کساد عیب ہوگا، جس کی وجہ سے بائع کو خیار رہے گا، چاہے تو بیع کو فسخ کرلے اور چاہے تو فلوس کی قیمت وصول کرے، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ قرض کے قبضے سے قرض مقبوض کی مثل واجب ہوتی ہے، اور کساد کی وجہ سے وہ مثل کی واپسی سے عاجز آگیا، کیونکہ وہ فلوس اب ثمن نہیں رہیں، اور سامان کے حکم میں آگئے، لہٰذا اس پر ان کی قیمت واجب ہوگی، جیسا کہ کسی نے کوئی مثلی چیز قرض لی اور اس پر قبضہ کیا، اور اس کے بعد وہ مثلی چیز لوگوں کے ہاتھوں سے منقطع ہوگئی۔

پھر صاحبینؒ کا آپس میں اعتبار قیمت کے وقت کے بارے میں اختلاف ہوگیا، امام ابو یوسفؒ نے وقتِ عقد کا اعتبار کیا، کیونکہ یہی وجوبِ ثمن کا وقت ہے، اور امام محمدؒ نے وقتِ کساد کی قیمت کا اعتبار کیا، کیونکہ تسلیم کرنے سے عاجز ہونے کا یہی وقت ہے، اور اگر رائج فلوس کو کسی نے قرض کے طور پر لیا، اور بعد میں وہ کاسد ہوگئے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس پر مقبوضہ فلوس کی مثل واپس کرنا ضروری ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک اس پر ان فلوس کی قیمت واپس کرنا ضروری ہے۔[1]

حاشیہ ابن عابدین اور فتاویٰ عالمگیریہ میں کساد فلوس کے بارے میں جو تفصیل تحریر ہے، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

"اگر کسی نے ان دراہم سے سودا کیا، جن میں کھوٹ غالب ہو، یا

(۱) ہدایہ مع فتح القدیر، ج ۷، ص ۲۴۸

وجہ سے باطل اور عقود خود بخود فسخ ہو جاتا ہے، اور اس صورت میں مشتری کے ذمہ مبیع کو واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، اور اگر مبیع موجود نہ ہو تو مثل اور اگر مثل بھی نہ ہو تو اس کی قیمت واپس کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک ان حالتوں میں بیع فاسد یا باطل نہیں ہوتی، البتہ یہ ایک عیب ہے، اس عیب کی وجہ سے بائع کو فسخ کا اختیار حاصل ہے، اگر وہ بیع کو فسخ کرتا ہے تو مبیع کی واپسی میں وہی تفصیل ہوگی، جو امام صاحبؒ کے مذہب میں ہے، اور اگر بیع کو فسخ نہیں کرتا، بلکہ نافذ کرتا ہے تو بیع نافذ ہو جائے گی، اور مشتری کے ذمہ اس ثمن کی قیمت واجب ہوگی، یہ قیمت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یوم العقد کے حساب سے ہوگی، اور امام محمدؒ کے نزدیک یوم الانقطاع یا یوم الکساد کے حساب سے ہوگا، اور دونوں صورتوں میں فتویٰ حنفیہ کے ہاں امام محمدؒ کے قول پر دیا جاتا ہے۔

مالکیہ وشافعیہ

مالکیہ اور شافعیہ کا موقف اس سلسلے میں یہ ہے کہ جب زر پر کساد واقع ہو جائے، تو بیع باطل نہیں ہوتی، بلکہ مدیون، مشتری وہی سکہ واپس کرے گا، جو سکہ بوقت عقد رائج تھا، البتہ شافعیہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اس صورت میں بائع کو اختیار ہوگا کہ یا تو قدیم سکہ قبول کرکے بیع کو نافذ کرے، اور یا اس بیع کو فسخ کرے۔

چنانچہ شرح زرقانی میں ہے:

"وإن بطلت فلوس ترتبت لشخص على آخر أي قطع التعامل بها بالكلية، فالمثل على من ترتبت في ذمته قبل قطع التعامل بها"

"اور اگر وہ فلوس جو کسی کے کسی کے ذمہ واجب تھے، وہ کاسد ہو گئے، یعنی ان کے ساتھ تعامل بالکلیہ ختم ہو گیا، تو جس کے ذمہ یہ فلوس واجب الاداء ہیں، وہ ان فلوس کی مثل ادا کرے گا، جو قطع تعامل سے

فقہ شافعی کی مشہور کتاب المجموع میں ہے:۔

"ولو باع بنقد معين او مطلق وحملناه على نقد البلد فابطل السلطان المعاملة بذلك النقد لم يكن للبائع الا ذلك النقد هذا هو المذهب"

"اور اگر کسی معین زر یا مطلق زر سے سودا کیا، اور اس کو ہم نے نقد البلد پر محمول کیا، پھر سلطان اس زر کے ساتھ معاملہ کو باطل کردے، تو بائع کو وہی سکہ یا زر ملے گا، جو بوقت عقد جاری تھا، اور یہی مذہب ہے۔"(1)

روضۃ الطالبین میں ہے:۔

ولو اقرضه نقدا فابطل السلطان المعاملة به، فليس له الا النقد الذي اقرضه نص عليه الشافعي رضي الله عنه۔"

"اور اگر اس کو زر قرض دے، اور پھر سلطان نے اس زر کے ساتھ معاملے کو باطل کردیا، تو مقرض کو وہی سکہ یا زر ملے گا، جو اس نے قرض دیا، اسی کی تصریح امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔"(2)

اور المجموع میں ہے:۔

"وحكى البغوي والرافعي وجها ان البائع مخير ان شاء اجاز البيع بذلك النقد وان شاء فسخ"

"اور بغوی اور رافعی نے ایک اور طریقہ بھی بیان کیا ہے، اور یہ کہ اس صورت میں بائع کو اختیار ہے، چاہے تو بیع اسی زر کے ساتھ نافذ کرے، اور اگر چاہے تو بیع کو فسخ کرے۔"(3)

---

(1) المجموع شرح المهذب، النووي، ابوزكريا محي الدين بن شرف النووي المتوفى ۶۷۶ھ، بیروت، دار الفکر (۹/۳۳۲)

(2) روضۃ الطالبین للنووی (۳/۳۷)

(3) المجموع شرح المهذب للنووی (۹/۳۸۲)

ان تمام عبارات کا حاصل یہ نکلا کہ ان حضرات (مالکیہ اور شافعیہ) کے نزدیک راجح اور مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ کساد کی صورت میں حق دار وہی سکہ یا زر وصول کرے گا، جو بوقت عقد رائج تھا، اگرچہ وہ اب بے کساد طاری ہونے کی وجہ سے نرخ گر گیا ہو، یا قرض کا ہو۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک انقطاع اور کساد میں حکم کے اعتبار سے فرق ہے، جس کی تفصیل گزر چکی۔

حنابلہ

کساد کی صورت میں حنابلہ کے نزدیک بھی قیمت واپس کرنا ضروری ہے، اور قیمت کی تعیین میں ان کے نزدیک تین اقوال ہیں:۔

الف:۔ وقت الکساد کی قیمت کا اعتبار ہے، جیسا کہ حنفیہ میں سے امام محمدؒ کا موقف ہے، اور یہی قول ان کے ہاں راجح ہے۔

ب:۔ وقت معاملہ کی قیمت کا اعتبار ہے، جیسے کہ امام ابو یوسفؒ کا موقف ہے۔

ج:۔ وقت خصومت کا اعتبار ہے۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:۔

"ان کان القرض فلوسا او مکسرة فحرمها السلطان وترکت المعاملة بها لانه کالعیب فلا یلزمه قبولها، ویکون له قیمتها وقت القرض سواء کانت باقیة او استهلکها نص علیه احمد فی الدراهم المکسرة، فقال: یقومها کم تساوی یوم اخذها ثم یعطیه، وسواء نقصت قیمتها قلیلا او کثیر:. وذکر ابوبکر فی التنبیه: انه یکون له قیمتها وقت فسدت وترکت المعاملة بها، لانه کان یلزمه مثلها مادامت نافقة، فاذا فسدت انتقل الی قیمتها حینئذ کما لو عدم

تین مختلف اقوال ہیں، راجح قول کے مطابق یوم الکساد کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

اور یہی تفصیل قرض میں بھی ہے، البتہ امام صاحبؒ کے نزدیک قرض میں مثل واجب ہوگی، خواہ انقطاع کی حالت ہو یا کساد کی۔

نقشہ مذاہب

حالت	امام	قول
انقطاع	امام ابوحنیفہؒ	بیع فسخ / قرض میں مثل واجب
	مالکیہؒ	وقت فیصلہ کی قیمت، بیع ہو یا قرض
	شافعیہؒ	وقت مطالبہ کی قیمت
	حنابلہ + امام محمدؒ	یوم الانقطاع، عند امام محمد بائع کو خیار حاصل ہوگا
	امام ابویوسفؒ	یوم العقد، بائع کو فسخ کا خیار حاصل ہوگا
کساد	امام ابوحنیفہؒ	بیع فسخ / قرض میں مثل واجب
	مالکیہ، شافعیہ	وہی سکہ جو بوقت عقد جاری تھا واجب ہوگا
	امام ابویوسفؒ	وقت عقد کی قیمت / خیار فسخ بھی
	حنابلہ + امام محمدؒ	یوم الکساد کی قیمت / عند محمد خیار فسخ بھی

جاننا چاہیے کہ اگر کسی ملک میں کرنسی اس قدر گر گئی کہ اس کو کساد کہا جا سکتا ہو تو

اس تعریف میں "زر کی قدر میں اضافہ" کی قید نہیں۔

افراطِ زر کی خصوصیات (Chracteristics)

افراطِ زر کی تین خصوصیات ہیں، جن پر سارے معیشت دان متفق ہیں:۔

۱۔ قیمتوں میں اضافہ: افراطِ زر کے نتیجے میں قیمتوں میں لازماً اضافہ ہوتا ہے۔

۲۔ زر کی رسد میں اضافہ: جب قومی وسائل حکومت کی مالیاتی ضروریات پوری کرنے سے قاصر رہتے ہیں، تو وہ بنکوں یا دوسرے مالیاتی اداروں اور عوام سے سرکاری کفالتوں یا بانڈز کی ضمانت پر قرضے حاصل کرکے اپنا کام چلاتی ہے، حکومت کے اس اقدام سے زرِ اعتباری (Credit Money) میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

۳۔ اپنی تقویت کا خود باعث بننا: افراطِ زر کا چکر جب ایک دفعہ شروع ہو جاتا ہے، تو پھر یہ خود بخود مضبوط سے مضبوط تر اور شدید سے شدید تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

افراطِ زر کی چند مشہور قسمیں

اپنی شدت اور کمی کے لحاظ سے افراطِ زر کی متعدد قسمیں ہیں، جن میں بعض مشہور قسمیں درج ذیل ہیں:۔

۱۔ رینگتا ہوا افراطِ زر (Creaping Infl): یہ اپنے اثرات کے لحاظ سے افراطِ زر کی سب سے سست رفتار قسم ہے، اس لئے معیشت کے لئے زیادہ خطرناک تصور نہیں کیا جاتا، عموماً ۳% سالانہ کے حساب سے قیمتوں میں مسلسل اضافے کو رینگتے ہوئے افراطِ زر سے موسوم کیا جاتا ہے۔

۲۔ اچھلتا ہوا افراطِ زر (Troting Infl): یہ افراطِ زر پہلی قسم کی نسبت سے زیادہ تیز رفتار ہوتا ہے، عموماً ۳% سے ۴% سالانہ اضافے کو اچھلتا ہوا افراطِ زر کہتے ہیں۔

۳۔ تیز رفتار افراطِ زر (Running Infl): قیمتوں میں ۱۰% سالانہ اضافے کو کہتے ہیں۔

۴۔ شدید افراط زر (Hyperinflation): اس میں روزانہ قیمتوں میں ۲۰۰ سے ۳۰۰ فیصد کے حساب سے اضافہ ہوتا ہے۔

۵۔ جمودی افراط زر (Stagflation): جب معیشت گرم بازاری کے بعد مرحلہ کساد بازاری (Recession) اور افراط زر کے اثرات سے بیک وقت دوچار ہوتی ہے تو یہ حالت جمودی افراط زر کی ہوتی ہے۔ اس میں ایک طرف پیداوار میں جمود کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اور دوسری طرف قیمتوں میں اضافہ شروع ہو جاتا ہے۔ اپنے اثرات کے لحاظ سے یہ سب سے خطرناک قسم ہے۔

قدر زر میں تغیرات پیدا کرنے والے عوامل

عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ زر کی قدر میں تبدیلی زر کی پیداوار میں اضافے یا کمی کی وجہ سے ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ زر کی قدر میں تبدیلی کئی اسباب کی بنا پر ہوتی ہے جنہیں ہم یہاں اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

۱۔ زر کی مقدار: اگر زر کی مقدار بڑھ جائے تو اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور زر کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔

۲۔ پیداوار کی مقدار: اگر ملک میں زر کی بہ نسبت اشیاء کی مقدار بڑھ جائے تو قیمتیں گر جاتی ہیں اور زر کی قدر بڑھ جاتی ہے۔ اس کے برعکس اگر اشیاء کی مقدار کم ہو جائے تو اشیاء کی قیمتیں چڑھ جاتی ہیں اور زر کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔

۳۔ زر کی گردش کی رفتار: زر کی گردش کی رفتار تیز ہو جائے تو زر کی اکائی پہلے سے زیادہ مرتبہ اشیاء خریدنے کے لئے استعمال ہوتی ہے تو قیمتیں چڑھ جاتی ہیں اور زر کی قدر کم ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس جب بازار میں مندی کے دوران زر کی گردش کی رفتار سست پڑ جاتی ہے تو قیمتیں گر جاتی ہیں اور زر کی قدر بڑھ جاتی ہے، کیونکہ لوگ زر خرچ کرنے

کی بجائے اپنے پاس رکھنا پسند کرتے ہیں۔

۴-آبادی کی تعداد: اگر آبادی بڑھ جاتی ہے، لیکن اشیاء کی پیداوار جوں کی توں رہے، تو طلب بڑھ جاتی ہے، اور اس کے نتیجے میں قیمتیں بڑھ جاتی ہیں، اور زر کی قدر کم ہو جاتی ہے۔

۵-طلب میں کمی بیشی: بعض اوقات غیر متوقع تا گہاں مثلاً جنگ کے باعث اشیاء کی مانگ بڑھ جاتی ہے، اور قیمتوں کی سطح بلند ہو جاتی ہے، اور زر کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔

۶-سرکاری بجٹ: اگر کسی سال حکومت کی متوقع آمدنی اس کے اخراجات سے کم ہو تو مرکزی بینک سے قرض لے کر اس کی کو پورا کرتی ہے، جس کے باعث افراط زر رونما ہو جاتا ہے، اور اشیاء کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔

۷-بیرونی تجارت: اگر کسی ملک کی بیرونی ادائیگیوں کا توازن خراب ہو جائے، یعنی اس نے اشیاء برآمد کم کی ہوں، اور درآمد زیادہ کی ہوں، تو اس کی کرنسی کی بیرونی قدر کم ہو جاتی ہے، باہر سے آنے والی اشیاء کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اور یوں ملک کے اندر بھی زر کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔

۸-محصولات: اگر حکومت درآمد ہونے والی اشیاء پر بھاری محصول لگائے، تو ان اشیاء کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اور زر کی قدر گھٹ جاتی ہے۔[1]

تفریط زر (Deflantion)

تفریط زر، افراط زر کے برعکس صورت کا نام ہے، اس میں قیمتیں گر رہی ہوتی ہیں، اور زر کی قدر بڑھ رہی ہوتی ہے۔

تفریط زر کا رجحان اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب زر کی رسد میں کمی کی وجہ سے

(۱) کتاب معاشیات حصہ دوم (ص ۱۵۸)

صاحب قرض کا حق ہے، جسے مقروض پر واپس کرنا واجب ہے۔ اسی طرح اجرت مزدور اور ملازم کا حق ہے، جسے ادا کرنا آجر پر واجب ہے۔ اسی وجہ سے ان دو مسئلوں کو ذکر کرنے میں مقدم کیا، اور ان کو نمایاں کیا، نیز آگے جو ہم "اشاریہ" یا "Index" تجزیہ بیان کریں گے، اس کا تعلق ان مسئلوں یعنی قرض اور اجرت سے ہے۔

اس کے علاوہ قدر زر میں تغیرات کے اور بھی اثرات ہیں، مثلاً کسان طبقے پر اس کا اثر، اور تاجر و صنعت کار پر اس کا اثر، اشیاء کی پیداوار پر اس کا اثر، تقسیم دولت پر اس کے اثرات، اور سرمایہ کاری اور روزگار پر اس کے اثرات۔

کسان اور تاجر پر افراط زر کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں، کیونکہ ان کی پیداوار کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اور ان کی آمدنی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح افراط زر کے نتیجے میں زرعی و صنعتی اشیاء کی پیداوار بڑھ جاتی ہے، اور نئی نئی اشیاء مارکیٹ میں متعارف ہو جاتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ افراط زر کا کسان، تاجر، صنعت کار اور اشیاء پیداوار پر خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اسی طرح سرمایہ کاری اور روزگار پر بھی افراط زر کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں، کیونکہ جب اشیاء کی قیمتیں بڑھیں گی، تو نئے کارخانے کھلیں گے، لوگ کاروبار اور تجارت میں دلچسپی لیں گے، اور اس طرح سرمایہ کاری میں اضافہ ہوگا، اور بے روزگاری میں کمی آئے گی، جبکہ تقسیم دولت پر افراط زر کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں، اور تقسیم دولت میں افراط زر سے بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ افراط زر سے قرض خواہ، مزدور اور تقسیم دولت پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں، جبکہ کسان، تاجر، صنعت کار، اشیاء کی پیداوار، سرمایہ کاری اور روزگار پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

افراط اور تفریط زر سے متعلق شرعی نقطۂ نظر

عربی میں افراط زر کو "رخص" یا "تضخم" کہتے ہیں، اور تفریط زر کو "غلاء" یا

"الکساد" کہتے ہیں، "رخص" اور "غلاء" کے الفاظ ہیں، جو کتب فقہ میں مذکور ہیں، اور "تضخم" و "انکماش" جدید الفاظ ہیں، جو کتب جدیدہ میں مذکور ہیں۔

"رخص" کے معنی سستا ہونے کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ زر سستا ہو گیا۔ یعنی قوت خرید کم ہو گئی، اور مہنگائی بڑھ گئی ہے، اور "غلاء" کے معنی مہنگا ہونے کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ زر مہنگا ہو گیا، یعنی قوت خرید بڑھ گئی، اور مہنگائی کم ہو گئی ہے۔

"تضخم" کے معنی بڑھنے کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ زر کی مقدار بڑھ گئی، اور مہنگائی بڑھ گئی ہے، اور "انکماش" کے معنی سکڑنے کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ زر کی مقدار گھٹ گئی، اور مہنگائی کم ہو گئی ہے۔ زر کے گھٹنے بڑھنے کے بارے میں فقہاء کرام سے دو قول مشہور ہیں، پہلا قول جمہور کا ہے، اور دوسرا قول امام ابو یوسف کا ہے۔

قول جمہور

امام شافعی، امام احمد اور امام ابو حنیفہ کا مذہب اس مسئلہ میں یہ ہے کہ زر مہنگا ہو یا سستا ہو، قرض دار کے ذمہ وہی مقدار واجب ہوگی، جو بوقت معاملہ اس کے ذمہ واجب ہوئی تھی، اس کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک "رخص" و "غلاء" کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں، اور اس سے قرض، دین یا اجرت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، اگر عقد کے وقت فلوس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی، اور بعد میں ان کی قیمت دو ہزار ہو گئی، یا بوقت عقد فلوس کی قیمت پانچ سو درہم تھی، اور بعد میں ان کی قیمت ایک ہزار ہو گئی، دونوں صورتوں میں وہی فلوس ادا کرنے ہوں گے، جو دین دار کے ذمہ واجب تھے، مہنگے ہونے یا سستے ہو جانے کا کوئی اعتبار نہیں۔

شرح الزرقانی میں ہے:

"وإن بطلت فلوس ترتبت لشخص على آخر أي قطع التعامل بها بالكلية وأولى تغيرها بزيادة أو نقص مع بقائها

عینها، فالمثل علی من ترتبت فی ذمته قبل قطع التعامل بها او التغیر، ولو کانت حین العقد مائة درهم، ثم صارت الفا به کما فی المدونة ای او عکسه لانها من المثلیات"

"اور اگر وہ فلوس جو کسی کے ذمہ واجب تھے، متروک الاستعمال ہو گئے، اور اس حکم میں فلوس کا زیادت یا نقصان کے ساتھ متغیر ہونا بطریق اولیٰ شامل ہے، تو اس صورت میں ذمہ دار پر مثل واجب ہے، اگرچہ عقد کے وقت فلوس سو درہم کے برابر تھے، اور پھر ایک ہزار ہو گئے، یا اس کا برعکس، کیونکہ فلوس مثلیات میں سے ہیں۔"[1]

حاشیہ دسوقی میں ہے:-

"اذا بطلت فلوس ترتبت لشخص علی غیره بقرض او بیع او نکاح او کانت عنده ودیعة وتصرف فیها، وکذا لو دفعها لمن یعمل بها قراضا، فالواجب المثل علی من ترتبت فی ذمته، ولو کانت الفلوس حین العقد مائة بدرهم ثم صارت الفا به"

"جب وہ فلوس باطل ہو جائیں، جو کسی شخص کے دوسرے کے ذمہ واجب تھے، خواہ قرض کے طریقے سے یا بیع یا نکاح کے طریقے سے، یا اس کے پاس ودیعت کے طور پر رکھے ہوئے تھے، اور اس نے ان میں تصرف کیا، اسی طرح اگر اس کو مضاربت کے طور پر دیئے تھے، تو ان تمام صورتوں میں ذمہ دار کے ذمہ مثل واپس کرنا ضروری ہے، اگرچہ فلوس عقد کے وقت ایک درہم کے بدلے سو تھے، اور بعد میں ایک ہزار ہو گئے۔"[2]

---

(۱) شرح الزرقانی (۵ / ۶۰)

(۲) حاشیۃ الدسوقی (۳ / ۴۵) بتصرف یسیر

منح الجلیل میں ہے:-

"ان اقرضته دراهم فلوسا، وهو يومئذ مائة فلس بدرهم ثم صارت مائتي فلس بدرهم فانما يرد عليك مثل ما اخذ لا غير ذلك"

"اگر آپ نے اس کو دراہم فلوس کی شکل میں قرض دیئے، اور اس دن صورت حال یہ ہو کہ ایک درہم کے سو فلوس بنتے تھے، پھر صورت حال بدل گئی، اور اب ایک درہم کے بدلے میں دو سو فلس آتے ہیں، تو وہ آپ کو وہی فلوس دے گا، جو اس نے لئے تھے، ان کے علاوہ کچھ واجب نہیں۔"[1]

المعیار میں ہے:-

"سئل سعيد بن لب عن رجل باع سلعة بالنقص المتقدم بالحلول فتأخر الثمن الى ان تحول الصرف وكان ذلك على جهة فبايهما يقضى له؟ وعن رجل آخر باع بالدراهم المعينة فتأخر الثمن الى ان تبدل فبايهما يقضى له؟ فاجاب. لا يجب قبل المشترى الا ما انعقد البيع في وقته لئلا يظلم المشترى بالزامه ما لم يدخل عليه في عقده"[2]

اس عبارت کا حاصل بھی وہی ہے، جو دوسری عبارات میں ذکر ہوا، اور وہ یہ کہ تغیر زر کی صورت میں وہی زر واجب ہوگا، اس کی قیمت واجب نہیں ہوگی۔

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:-

(۱) منح الجلیل (۲/۵۳۵)

(۲) المعیار المعرب (۶/۲۶۳)

ہے۔ اگر قرض ہو تو قرض میں یوم القبض کی قیمت کا اعتبار ہے، اور اگر بیع ہو تو بیع میں یوم العقد کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:-

"اذا غلت الفلوس قبل القبض او رخصت، قال ابو یوسف قولی وقول ابی حنیفة فی ذلک سواء، ولیس له غیرها، ثم رجع ابو یوسف وقال: علیه قیمتها من الدراهم یوم وقع البیع ای فی صورة البیع ویوم وقع القرض ای فی صورة القرض، وبه علم ان فی الرخص والغلاء قولان: الاول: لیس له غیرها، والثانی: قیمتها یوم البیع وعلیه الفتوی"

"قبضے سے پہلے فلوس مہنگے ہو گئے یا سستے ہو گئے تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس میں میرا اور امام ابو حنیفہؒ کا قول ایک ہے، اور یہ کہ اس کو یہی فلوس ملیں گے، لیکن بعد میں امام ابو یوسفؒ نے رجوع فرمایا، اور فرمایا کہ اس پر دراہم کی شکل میں ان کی قیمت واجب ہوگی، اور اس قیمت میں یوم البیع کا اعتبار ہوگا، اگر بیع ہو، اور یوم القبض کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اگر معاملہ قرض کا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ رخص اور غلاء میں دو قول ہیں، پہلا قول یہ کہ مثل واجب ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یوم البیع کی قیمت واجب ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔" [1]

اور علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:-

"اذا غلت قیمة الفلوس او انتقصت، فالبیع علی حاله ولا یتخیر المشتری، ویطالب بالنقد بذلک العیار الذی

(۱) تنبیہ الرقود، ۲: ۶۰

كان وقت البيع، كذا في فتح القدير. وفي البزازية عن المنتقى: غلت الفلوس أو رخصت فعند الإمام الأول والثاني أولاً ليس عليه غيرها، وقال الثاني ثانياً عليه قيمتها من الدراهم يوم البيع والقبض وعليه الفتوى. وهكذا في الذخيرة والخلاصة بالعزو إلى المنتقى. وقد نقله شيخنا في بحره وأقره فحيث صرح بأن الفتوى عليه في كثير من المعتبرات فيجب أن يعول عليه إفتاء وقضاء.[1]

”جب فلوس کی قیمت بڑھ جائے یا گھٹ جائے تو بیع اپنے حال پر برقرار رہے گی، اور مشتری کو بیع کا اختیار بھی نہیں رہے گا، اور مشتری سے اسی زر کا مطالبہ کیا جائے گا، جو بیع کے وقت تھا، اسی طرح فتح القدیر میں بھی مذکور ہے، اور بزازیہ میں المنتقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ فلوس کی قیمت بڑھ گئی یا گھٹ گئی، تو امام اول اور امام ثانی کے نزدیک پہلے یہ حکم تھا کہ مشتری کے ذمہ ان مقررہ فلوس کے علاوہ مزید کچھ نہیں، اور امام ثانی (امام ابو یوسف) نے بعد میں کہا کہ اس پر دراہم کی شکل میں ان فلوس کی قیمت واجب ہوگی، اور اسی پر فتویٰ ہے، اسی طرح ذخیرہ اور خلاصہ میں منتقی کے حوالے سے ہے، اور ہمارے شیخ نے اپنے بحر میں نقل کیا ہے، اور یہ تصریح فرمائی ہے کہ بہت ساری معتمد کتابوں میں اسی پر فتویٰ نقل کیا ہے، لہذا اسی پر فتویٰ میں بھی اور قضا میں بھی اعتماد کرنا چاہیے۔“[1]

---

[1] تنبیہ الرقود ([illegible])۔

العقود الدریہ میں ہے کہ:۔

"وان رخصت او غلت فقیل: لیس له غیرها، ای یجب علی المشتری رد المثل، وقیل: تجب قیمتها یوم البیع او یوم القبض فی صورة القرض، وعلیه الفتوی"

"اور اگر فلوس سستے ہو گئے یا مہنگے ہو گئے، تو ایک قول یہ ہے کہ بائع کو یہی فلوس ملیں گے، یعنی مشتری مثل واپس کرنا واجب ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ بیع میں یوم البیع اور قرض میں یوم القبض کی قیمت ادا کرنا واجب ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔"[1]

علامہ ابن عابدینؒ نے اس بات پر علامہ غزیؒ کا جزم نقل فرمایا ہے کہ اس مسئلے میں فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:۔

"وقد تتبعت كثيرا من المعتبرات من كتب مشائخنا المعتمدة فلم ار من جعل الفتوى على قول ابي حنيفة رضي الله عنه، بل قالوا: به كان يفتي القاضي الامام، واما قول ابي يوسف فقد جعلوا الفتوى عليه في كثير من المعتبرات فليكن المعول عليه"

"میں نے (علامہ غزیؒ نے) اپنے مشائخؒ کی بہت ساری معتمد کتابوں کا مطالعہ کیا تو میں کسی کو نہیں دیکھا جس نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول پر فتویٰ دیا ہو، البتہ ان کے قول کے مطابق قاضی امام فتویٰ دیا کرتے تھے، جہاں تک امام ابو یوسفؒ کے قول کا تعلق ہے تو اس کے مطابق بہت ساری معتبر کتابوں میں فتویٰ دیا گیا ہے، لہٰذا اسی پر اعتماد کرنا چاہئے۔"[2]

---

(۱) العقود الدریۃ ص ۲۶۱۔

(۲) تنبیہ الرقود ۲/۵۹۔

فائدہ

یاد رکھنا چاہئے کہ کساد، غلاء اور رخص کے ان احکام و تفصیلات کا تعلق ثمن خلقی سے نہیں، بلکہ صرف ثمن عرفی سے ہے، کیونکہ ثمن خلقی مثلاً سونا یا چاندی کی ثمنیت کبھی بھی باطل نہیں ہوتی، تو اس میں کساد کا تصور نہیں، اسی طرح غلاء و رخص سے اس میں زیادہ تغیر واقع نہیں ہوتا، جس سے عاقدین کو نقصان یا ضرر پہنچ جائے، تو یہاں اس قسم کی تفصیل کی ضرورت نہیں، اور سونے چاندی میں مثل ہی واپس کرنا ضروری ہے، اور کسی کے نزدیک بھی قیمت کا اعتبار نہیں، بخلاف ثمن اصطلاحی اور عرفی کے، کہ اس میں کساد بھی متوقع ہوتا ہے، جس کی وجہ بالکل واضح ہے، اسی طرح غلاء و رخص سے اس میں کافی تغیر واقع ہو سکتا ہے، جس سے عاقدین کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے، اس لئے عاقدین کو نقصان سے بچانے کے لئے امام ابو یوسفؒ نے مذکورہ قول اختیار کیا، اور حنفیہ نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا، کیونکہ یہ قول مزاج شریعت سے زیادہ قریب ہے، اور وہ یہ کہ حق دار کا حق محفوظ رہے، اور اس کو ضرر لاحق نہ ہو۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کا صحیح محمل

یہاں یہ بات سمجھنی نہایت ضروری ہے کہ غلاء اور رخص کے سلسلے میں حنفیہ کے ہاں مفتیٰ بہ قول امام ابو یوسفؒ کا ہے، کہ فلوس کے سستے ہونے یا مہنگے ہونے کی صورت میں ان کے نزدیک مثل واپس کرنا ضروری نہیں، بلکہ قیمت واپس کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے فلوس میں غلاء اور رخص کا اعتبار کیا، تو کیا غلاء اور رخص کا اعتبار موجودہ کرنسی نوٹوں میں بھی ہوگا، اور کرنسی نوٹوں میں بھی امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق افراط اور تفریط زر کی صورت میں قیمت کا اعتبار ہوگا؟ اگر جواب "ہاں" میں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کو قرض دیا تھا، یا اس کے ذمہ اس کا دین تھا، اور بعد میں افراط زر کے نتیجے میں کرنسی نوٹ کی قدر گر گئی جیسا کہ اکثر ہوتا رہتا ہے، تو اب حق دار کو جو

ہوگا، اس میں تو آگے پھر اختلاف ہو گیا، اور حنفیہ نے امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ دے دیا۔ لہٰذا ان کے قول کے مطابق اگر کسی شخص نے ایک سو فلوس قرض لئے تھے، اور پھر ایک فلس درہم کا چھٹا حصہ ہو گیا، تو اب وہ دو سو فلس واپس کرے گا، اس لئے کہ اس نے حقیقت میں دس درہم کی مالیت کا قرض لیا تھا، اور اب ادائیگی کے وقت دس درہم کی مالیت دو سو فلوس ہوگی، اس لئے قرض دار پر دو سو فلوس ادا کرنا واجب ہو گئے۔

لیکن جہاں تک موجودہ کرنسی نوٹوں کا تعلق ہے، ان کا کسی دوسرے ثمن کے ساتھ کوئی رابطہ اور تعلق نہیں ہے، اور نہ ہی یہ نوٹ کسی اور ثمن کے لئے بطور ریزگاری اور اجزاء کے استعمال ہوتے ہیں، بلکہ وہ خود مستقل ثمن ہیں، لہٰذا کرنسی نوٹوں کو فلوس پر قیاس کرنا درست نہیں، اس لئے کہ فلوس کی صحیح قیمت معلوم کرنا ممکن تھا، کیونکہ وہ سونے یا چاندی کے ایک خاص معیار کے ساتھ مربوط تھے، بخلاف کرنسی نوٹوں کے کہ ان کا کوئی حقیقی معیار نہیں، بلکہ ان میں اشیاء کی قیمتوں کو دیکھ کر اندازہ اور تخمین سے کام لیا جاتا ہے، جس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں۔

خلاصہ یہ کہ امام ابو یوسف کے قول کا تعلق گزشتہ دور کے فلوس سے ہے، اور ان فلوس اور کرنسی نوٹوں میں فرق ہے، اس لئے اس حکم میں کرنسی نوٹ فلوس کی طرح نہیں ہوں گے، اور کرنسی نوٹ میں "قیمت" کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ "مثل" کا اعتبار ہوگا، یہی جمہور فقہاء کے مذہب کے موافق ہے، لہٰذا امام ابو یوسف کے قول کو بنیاد بنا کر کرنسی نوٹوں میں قرضوں کی قیمت پر اضافے کو جائز قرار دینا درست نہیں۔ (۱)

قیمتوں کا اشاریہ (Price Index)

اس کو انڈیکس نمبر (Index Numbers) بھی کہتے ہیں۔

اس سے اشیاء کی قدر زر کی مدد سے ناپی جاتی ہے، مثلاً ہم کہتے ہیں کہ کسی چیز کی قیمت

---

(۱) احکام الاوراق النقدیۃ للعثمانی، ص ۱۰۰

کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم

دو سو روپے ہے، اور مکان پانچ لاکھ روپے کا ہے۔ لیکن خود زر کی قیمت وقدر اشیاء کی قیمتوں کے معیار سے پرکھی جاتی ہے، مثلاً: ہم کہتے ہیں کہ دس سال قبل سو روپے کی قدر ایک من گندم کے برابر تھی، لیکن آج صرف دس کلو کے برابر ہے، لہٰذا زر کی قدر اس وقت زیادہ تھی، جب بھی تو اس کے بدلے زیادہ چیزیں آتی تھیں، اور اب کم ہوگئی، کیونکہ چیزیں کم ہوگئیں۔

اب زر کی پیمائش کس طرح ہوگی؟ اس کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ چند ایسی اشیاء جو کثیر الاستعمال ہوں، منتخب کی جاتی ہیں، اور ان کی (مختلف تاریخوں کے حساب سے) قیمتوں کا موازنہ (Comparison) کیا جاتا ہے، اس کو اشاریہ (Index) کہتے ہیں۔

”اشاریہ“ کا طریقہ اور اس کے مختلف مراحل

زیر بحث مسئلہ کا شرعی حکم جاننے کے لئے قیمتوں کا اشاریہ وضع کرنے کا طریقہ اور کرنسی کی قیمت کی تعیین میں اس کے استعمال کو جاننا ضروری ہے، لہٰذا قرضوں کا قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ تعلق کے سلسلے میں ماہرین جو طریقہ اختیار کرتے ہیں، ذیل میں اس کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ کرنسی خواہ دھات کی ہو یا کاغذی، وہ بذات خود مقصود نہیں، بلکہ اس کرنسی کے ذریعے انسان اپنی ضروریات زندگی کی اشیاء وخدمات (Goods & Services) خریدتا ہے، اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ہر کرنسی کی دو قیمتیں ہوتی ہیں، ایک اس کی ظاہری قیمت (Face Value) اور دوسری اس کی حقیقی قیمت (Real Value)۔ ظاہری قیمت کرنسی کی وہ قیمت کہلاتی ہے، جو اس کے اوپر لکھی ہوئی ہوتی ہے، اور حقیقی قیمت اشیاء وخدمات کا وہ مجموعہ ہے، جو ایک انسان کے لئے اس کرنسی کے ذریعے خریدنا ممکن ہو،

آج کل معیشت دان اشیاء و خدمات کے اس مجموعے کو "اشیاء کی ٹوکری" (Basket of Goods) کہتے ہیں۔

مثلاً اگر زید کی ماہانہ تنخواہ دس ہزار روپے ہے تو دس ہزار روپے اس کی ماہانہ آمدنی کی ظاہری قیمت ہے، پھر وہ یہ دس ہزار روپے مندرجہ ذیل اشیاء و خدمات میں صرف کرتا ہے:۔

گندم = ۴۰ کلو کپڑا = ۲۰ میٹر گوشت = ۱۰ کلو دال = ۵ کلو مکان کا کرایہ دو بیٹوں کے تعلیمی اخراجات طبی معائنے کی فیس	اشیاء و خدمات کی ٹوکری (Basket of Goods & Services)

یہ اشیاء و خدمات کی ٹوکری ہے، اور یہ ٹوکری دس ہزار روپے کی حقیقی قیمت ہے۔

پھر اشیاء کی ٹوکری میں درج شدہ اشیاء سب ایک طرح اہمیت نہیں رکھتیں، بلکہ بعض چیزیں دوسرے کے مقابلے میں زیادہ اہمیت کی حامل ہیں، مثلاً گندم کپڑے کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے، اور کپڑا چائے کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے، اور اس میں شک نہیں کہ جو انسان کی زندگی پر اہم اشیاء میں تبدیلی زیادہ اثر انداز ہوتی ہے، بہ نسبت ان کی اشیاء کی قیمتوں میں تبدیلی کے جو کم اہمیت رکھتی ہوں، لہذا اگر چائے کی قیمت زیادہ ہو جائے تو اتنی مشکلات پیدا نہ ہوں گی جتنی گندم کی قیمت زیادہ ہونے سے پیدا ہوں گی۔

لہٰذا کرنسی کی حقیقی قیمت میں تبدیلی کو اشیاء کی قیمتوں میں اوسط تبدیلی کے ذریعے معلوم کرنے کے لئے ماہرین معاشیات ہر چیز کی ایک خاص اہمیت فرض کرتے ہیں۔ پھر فرض کی ہوئی اہمیت کی بنیاد پر تمام اشیاء کے لئے علیحدہ علیحدہ نمبر مقرر کرتے ہیں۔ اس نمبر کو مخصوصیت والی "چیز کا وزن" (Weight of Commodity) کہتے ہیں۔ اور اس طرح اشاریہ کو "وزن دار اشاریہ" (Weighted Index Number) کہتے ہیں۔

اور اگر اشاریہ میں تمام اشیاء کے ساتھ ایک جیسا معاملہ کیا جائے اور ہر چیز کو ایک ہی وزن دیا جائے، تو اس اشاریہ کو "سادہ اشاریہ" (Simple Index Number) کہتے ہیں۔

اشاریہ بنانے میں مختلف مراحل ہوتے ہیں:-

۱- تمام اشیاء کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

۲- ہر چیز کو اس کی اہمیت کے پیش نظر ایک خاص وزن دیا جاتا ہے۔

۳- بنیادی سال کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ یہ سال ایسا ہونا ضروری ہے جس میں معاشی اعتبار سے کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہ آیا ہو، جس میں عام اشیاء کی قیمتیں نہ بہت کم ہوں اور نہ بہت زیادہ ہوں، تو یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ تجارت کا زمانہ نہ ہو اور نہ خوشحالی کا۔ مختصر یہ کہ یہ سال نارمل ہو۔

۴- بنیادی سال کے مقابلے میں اس سال کا انتخاب کیا جاتا ہے جس کی قیمتوں کے ساتھ بنیادی سال کی قیمتوں کا تقابل کیا جاتا ہے۔

۵- دونوں سالوں کے درمیان قیمت کی تبدیلی کا اوسط نکالا جاتا ہے۔

۶- اوسط تبدیلی کو اشیاء کے وزن سے ضرب دی جاتی ہے۔

۷- حاصل ضرب کو جمع کیا جاتا ہے۔ حاصل جمع دونوں سالوں کی قیمتوں کا فرق ہوتا ہے۔

۲٫۵ = ۰٫۹ + ۰٫۶ + ۱٫۰

''۲٫۵'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ اشیاء کی ٹوکری جس کو ایک شخص ۸۰ء میں سو روپے میں خرید سکتا تھا وہ ۹۷ء میں اُنہی اشیاء کی ٹوکری کو دو سو پچاس روپے میں خرید سکے گا، کیونکہ کرنسی کی حقیقی قیمت میں ۲۵۰% کے تناسب سے کمی واقع ہو گئی۔

اگر ہم فرض کر لیں کہ ۸۰ء میں ایک شخص کی ماہانہ تنخواہ ۵۰۰۰ روپے تھی، اور ۹۷ء میں اس کی ماہانہ تنخواہ زیادہ ہو کر ۱۰۰۰۰ روپے ہو گئی تو اس کی ماہانہ تنخواہ کی قیمت اور حیثیت کا حساب مندرجہ ذیل طریقے سے کیا جائے گا:-

سال	ظاہری قیمت	زیادتی کا تناسب	حقیقی قیمت	کیفیت
۱۹۸۰ء	۵۰۰۰	۱٫۰	۵۰۰۰	۱×۵۰۰۰/۱
۱۹۹۷ء	۱۰۰۰۰	۲٫۵	۴۰۰۰	۲×۱۰۰۰۰/۵

تو گویا کہ ۱۰۰۰۰ روپے ۴۰۰۰ روپے کے مساوی ہو گئے۔

لہٰذا اگر کسی نے ۸۰ء میں ۴۰۰۰ روپے قرض لئے تھے، تو اب ۹۷ء میں وہ ۱۰۰۰۰ روپے واپس کرے، بصورتِ دیگر حق دار پر ظلم ہوگا۔ اسی وجہ سے بعض معیشت دان کہتے ہیں کہ اس زمانے میں قرض/دَین کو اِشاریہ کے ساتھ منسلک کرنا ضروری ہے اور اس کے حساب سے قرض اور دیون کی ادائیگی کرنی چاہئے۔

کیا قرض اور اُجرت کو اِشاریہ کے ساتھ منسلک کیا جا سکتا ہے؟ (Indexation System)

نقطۂ شرعی کے اعتبار سے قرض/دَین کا اشاریہ کے ساتھ مربوط کرنے اور اُجرت کو اس کے ساتھ مربوط کرنے کا حکم الگ الگ ہے۔ قرض یا دَین کا اشاریہ کے ساتھ مربوط کرنے کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے، البتہ اُجرت میں کچھ تفصیل ہے۔ دونوں مضمون کا خلاصہ ذیل میں مذکور ہے۔

گندم واپس کرے، اس لئے کہ ڈھائی کلو گندم کی مالیت اب وہی ہے، جو قرض لیتے وقت ایک کلو گندم کی تھی۔

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرض میں جس "مثلیت" اور برابری کا اعتبار ہے، وہ مقدار اور کمیت میں برابری ہے، قیمت اور مالیت میں برابری معتبر نہیں۔

۲- تمام فقہا نے کرام کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ قرضوں کی واپسی میں برابری کی شرط صرف سود سے بچنے کے لئے ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مطلوبہ برابری کو بڑی تفصیل کی احادیث میں پوری تشریح کے ساتھ واضح فرمادیا ہے، چند احادیث مبارکہ بطور نمونہ ملاحظہ ہوں!

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالی عنہ : قال : کنا نرزق تمر الجمع علی عہد رسول اللہ ﷺ، وھو الخلط من تمر فکنا نبیع صاعین بصاع، فبلغ ذلک رسول اللہ ﷺ فقال لا صاعین تمرا بصاع، ولا صاعین حنطۃ بصاع ولا درھما بدرھمین۔

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہمارے پاس ہر قسم کی ملی جلی کھجوریں آیا کرتی تھیں، ہم (گھٹیا کھجور کے) دو صاع (بڑھیا کھجور) کے ایک صاع کے بدلے میں بیچ دیتے تھے، جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ دو صاع کھجور کو ایک صاع کھجور کے بدلے میں مت بیچو، اور نہ دو صاع گندم ایک صاع گندم کے بدلے میں بیچو، اور ایک درہم دو درہم کے بدلے میں مت بیچو۔"[1]

(۱) جامع الاصول۔ ابن الاثیر الجزری (الامام مجد الدین ابی السعادات المبارک بن محمد) المتوفی ۶۰۶ھ، حلوان، مکتبۃ الحلوانی، طبع ۱۳۸۹ھ (۱/۵۴۶)

اس حدیث مبارک سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیمت میں مثلیت اور برابری کا اعتبار نہیں کیا، بلکہ کیت میں برابری اور مثلیت کا اعتبار کیا، کیونکہ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھی کہ جو کھجور دو صاع کے بدلے میں بیچی جائے گی وہ اس کھجور کے مقابلے میں زیادہ قیمتی ہوگی، جو ایک صاع کے عوض بیچی جائے گی، لیکن اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس پر راضی نہیں ہوئے، بلکہ مقدار اور ناپ میں مماثلت اور برابری کا حکم دیا، اور قیمت کا اعتبار نہیں کیا۔

عن ابي سعيد وابي هريرة رضي الله تعالى عنهما: ان رسول الله ﷺ استعمل رجلا على خيبر فجاءهم بتمر جنيب، فقال: اكل تمر خيبر هكذا؟ قال: انا لنأخذ الصاع بالصاعين والصاعين بالثلاث، قال: لا تفعل، بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنيبا۔

''حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنا کر بھیجا، وہ عامل جب واپس آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جنیب (کھجور کی ایک عمدہ قسم) کھجور پیش کیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہوتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ہم ایک صاع کو دو صاع کے بدلے میں اور دو صاع کو تین صاع کے بدلے میں تبدیل کر لیتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا مت کرو، بلکہ جمع کھجور کو پہلے دراہم کے عوض فروخت کرو، پھر ان دراہم سے جنیب کھجور خریدا کرو۔''[1]

یہ حدیث شریف اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اموال ربویہ میں جو تماثل اور

(۱) جامع الاصول (۱/۵۵)۔

اور چاندی کو چاندی کے بدلے میں وزن کر کے بیچو، ان میں جو شخص زیادتی کرے یا زیادتی طلب کرے، تو وہ زیادتی سود ہے۔"[1]

عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالى عنه ان النبي ﷺ قال: الذهب بالذهب تبرها وعينها، والفضة بالفضة تبرها وعينها، والبر بالبر مدين بمدين والشعير بالشعير مدين بمدين والتمر بالتمر مدين بمدين والملح بالملح مدين بمدين فمن زاد او استزاد فقد اربى۔

"حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کو سونے کے بدلے میں چاہے وہ سونے کا ٹکڑا ہو، یا ڈھلا ہوا سکہ ہو، چاندی کو چاندی کے بدلے میں چاہے وہ چاندی کا ٹکڑا ہو، یا ڈھلا ہوا سکہ ہو، اور دو مدی گندم کو دو مدی گندم کے بدلے میں، اور دو مدی جو کو دو مدی جو کے بدلے میں، اور دو مدی کھجور کو دو مدی کھجور کے بدلے میں اور دو مدی نمک کو دو مدی نمک کے بدلے میں بیچو، اور جس شخص نے زیادتی کی یا زیادتی طلب کی، اس نے سود لیا۔"[2]

مندرجہ بالا ساری احادیث اس بات کو واضح طور پر بیان کرتی ہیں کہ شریعت میں جو تماثل اور برابری مطلوب ہے، وہ مقدار میں برابری ہے، اموالِ ربویہ میں قیمت کے تفاوت کا کوئی اعتبار نہیں۔

اس سلسلے میں ایک حدیث اور ہے، جو خاص کر قرض ہی میں مثلیت اور برابری کو واضح کرتی ہے:۔

---

(۱) جامع الاصول (۱/۵۵۴)۔

(۲) جامع الاصول۔

اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کی قرارداد درج ذیل ہے:-

إن مجلس مجمع الفقه الاسلامي المنعقد في دورة مؤتمره الخامس بالكويت من ١ الى ٦ جمادى الاولى ١٤٠٩ هجر ١٠ الى ١٥ كانون الاول (ديسمبر) ١٩٨٨م ۔۔۔قرر مالي: العبرة في وفاء الديون الثابتة ما هي بالمثل وليس بالقيمة لان الديون الثابتة تقضي بامثالها، فلايجوز ربط الديون الثابتة في الذمة ايا كان مصدرها بمستوى الاسعار والله اعلم۔

"اسلامی فقہ اکیڈمی کی مجلس جس کی پانچویں کانفرنس کویت میں یکم تا ۶ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ — ۱۰ تا ۱۵ ردسمبر ۱۹۸۸ء نے درج ذیل قرارداد پیش کی: "جو قرض ذمے میں واجب ہوں، ان کی ادائیگی میں مثل کا اعتبار ہے، اور قیمت کا اعتبار نہیں، کیونکہ قرض کی ادائیگی میں مثل کا اعتبار ہوتا ہے، لہٰذا قرض اور دیون جو ذمے میں واجب ہوں، ان کو کسی حال میں اشاریے کے ساتھ منسلک نہیں کیا جاسکتا۔"[1]

مزدوروں کی اُجرتوں کو اشاریے کے ساتھ وابستہ کرنا

جہاں تک اُجرتوں کی قیمتوں کے اشاریے سے ربط کا مسئلہ ہے، تو جب تک اُجرت قرض نہ بن جائے، اس وقت تک اس کا حکم "قرضوں کے ربط" سے مختلف ہوگا، البتہ اُجرت اگر قرض بن جائے تو اس صورت میں اس کا حکم بھی وہی ہوگا، جو قرضوں کے ربط کا حکم ہے۔

---

(۱) مجلة المجمع الفقه الاسلامي، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث ۱۴۰۹ھ ۱۹۸۸ء (ص: ۲۲۷)۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اُجرتوں کو اشاریے کے ساتھ مربوط کرنے کی تین صورتیں ممکن ہیں:-

پہلی صورت

پہلی صورت یہ کہ اجرتیں اور تنخواہیں لوگوں کے ذریعے طے ہو جائیں، کہ اتنی اُجرت یا تنخواہ دی جائے گی، اور مالک اور مزدور کے درمیان یہ معاہدہ ہو جائے کہ یہ تنخواہ ہر سال قیمتوں کے اشاریے کے زیادتی کے تناسب سے بڑھتی رہے گی، مثلاً حکومت ایک شخص کو تین ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملازم رکھے، اور یہ معاہدہ کرے کہ یہ تنخواہ ہر سال کے شروع میں قیمتوں کے اشاریے میں زیادتی کے تناسب سے بڑھتی رہے گی، اس صورت میں اس ملازم کو ہر سال کے آخر تک ہر ماہ تین ہزار روپے ہی قبول کرنے پڑیں گے، اور درمیان سال میں قیمتوں کے اشاریے میں زیادتی کے تناسب کو نہیں دیکھا جائے گا، البتہ جب نیا سال شروع ہوگا تو اس وقت اشاریے کو دیکھا جائے گا کہ ایک سال کے اندر اس میں کس تناسب سے زیادتی ہوئی، مثلاً قیمتوں کے اشاریے میں ۵% کے تناسب سے زیادتی ہوئی تھی، تو اس ملازم کی تنخواہ میں بھی اسی تناسب سے زیادتی کرنی ہوگی، لہٰذا اب نئے سال سے اس کی تنخواہ تین ہزار ایک سو پچاس روپے ہو جائے گی۔

یہ طریقہ بہت سے ممالک مثلاً پاکستان وغیرہ میں رائج ہے، اور اس قسم کے ربط کی شریعت میں کوئی ممانعت نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں کا حاصل یہ ہے کہ دونوں فریق اجرتوں اور تنخواہوں میں ہر سال یا ہر چھ ماہ بعد ایک متعین شرح تناسب سے زیادتی پر متفق ہو گئے ہیں، اور یہ زیادتی کا تناسب اگرچہ عقد کے وقت تو فریقین کے علم میں نہیں تھا، مگر وہ ایسا معلوم ہے جس کی بنیاد پر تناسب کا تعین ہوگا، اس لئے زیادتی کی مقدار میں جو جہالت کا شبہ تھا، وہ مرتفع ہو گیا، یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر نئے سال کے شروع میں جس تناسب سے قیمتوں میں زیادتی ہوئی ہوگی، اسی تناسب سے اضافہ شدہ اجرت پر اس عقد اجارہ کی

تجدید کی جائے گی، اور اس میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے۔

دُوسری صورت

اُجرتوں کے قیمتوں کے اشاریے سے ربط کی دُوسری صورت یہ ہے کہ اُجرت کی تعیین نوٹوں کی ایک معلوم مقدار پر ہو جائے، لیکن عقد میں شرط کرلیں کہ مالک کے ذمے یہ مقدارِ معلوم واجب نہیں، بلکہ اس کے ذمے وہ مقدار واجب ہوگی جو قیمتوں کے اشاریے کی رُو سے مہینے کے آخر میں اس مقدارِ معلوم کے مساوی اور برابر ہوگی۔

مثلاً زید نے عمرو کو ایک ماہ کے لئے ملازم رکھا اور یہ طے پایا کہ زید عمرو کو مہینے کے آخر میں قیمتوں کے اشاریے کے لحاظ کرتے ہوئے اتنی رقم اُجرت میں دے گا، جو موجودہ ایک ہزار روپے کے مساوی ہوگی، چنانچہ قیمتوں کے اشاریے میں ایک ماہ کے اندر دو فیصد کے تناسب سے قیمتیں بڑھ گئیں، تو اب زید مہینے کے آخر میں عمرو کو ایک ہزار بیس روپے ادا کرے گا، اس لئے کہ یہ ایک ہزار اور بیس روپے شروع مہینے کے ایک ہزار روپے کے مساوی ہیں۔

لیکن جب مہینے کے آخر میں یہ طے ہوگیا کہ تنخواہ ایک ہزار اور بیس روپے ہے تو اب یہ تنخواہ ہمیشہ کے لئے ایک ہزار اور بیس روپے ہی رہے گی، دَین ثابت ہوگی، لہٰذا اگر مالک مہینے کے آخر میں یہ تنخواہ ادا نہیں کرسکا حتیٰ کہ ایک مہینہ اور گزر گیا، یا ایک سال گزر گیا، اور اس نے تنخواہ ادا نہیں کی، تب بھی مالک کے ذمے ایک ہزار اور بیس روپے واجب ہوں گے، قیمتوں کے اشاریے میں زیادتی سے اس میں زیادتی نہیں آئے گی، مثلاً اگر اس عرصے میں قیمتوں کے اشاریے میں دس فیصد کے تناسب سے اضافہ ہوچکا ہے، اس لئے اب مجھے ایک ہزار بیس روپے پر دس فیصد کے حساب سے اضافہ کرکے اُجرت دی جائے، اس لئے عقد کے وقت ہی آپس کے اتفاق سے اُجرت کے بارے میں یہ بات طے ہوچکی تھی کہ مہینے کے آخر میں جتنے روپے موجودہ ایک ہزار کے مساوی ہوں گے، وہ دیئے جائیں گے، اور

صرف تعیین کے لئے قیمتوں کے اشاریے کو مدنظر رکھا جائے گا، لیکن جب مہینے کے آخر میں قیمتوں کے اشاریے کی بنیاد پر ایک مرتبہ اجرت طے ہوگئی، تو اب قیمتوں کے اشاریے کا کام مکمل ہو چکا، اب اس کی ضرورت نہیں رہی اور اب وہ متعین اجرت مالک کے ذمہ قرض ہوگئی، جس میں آئندہ نہ تو زیادتی ہو سکتی ہے، اور نہ کمی واقع ہو سکتی ہے، قیمتوں کے اشاریے میں چاہے کتنے بھی تغیرات واقع ہو جائیں۔

جہاں تک اس صورت کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے، اس میں جسٹس مفتی محمد تقی صاحب کی رائے یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے، بشرطیکہ قیمتوں کا اشاریہ اور اس کے حساب کا طریقہ فریقین کو اچھی طرح معلوم ہو، تاکہ بعد میں لاعلمی کی بناء پر آپس میں جھگڑا نہ ہو جائے، اس لئے کہ یہاں دونوں فریق اس بات پر متفق ہیں کہ طے شدہ اجرت ایک ہزار روپے نہیں، بلکہ قیمتوں کے اشاریے کے اعتبار سے مہینے کے آخر میں جتنے روپے موجودہ ایک ایک ہزار روپے کے مساوی ہوں گے، وہ مالک پر دینے واجب ہوں گے، جس کو حساب کے ذریعے نکالنے کا طریقہ دونوں فریق کو معلوم بھی ہو، لہٰذا اجرت کی مقدار میں اتنی جہالت جھگڑا کا سبب نہیں بنے گی، اور شرعاً اتنی جہالت متحمل ہوتی ہے۔

تیسری صورت

تیسری صورت یہ کہ اجرت تو روپے کی متعین مقدار کے ذریعے سے ہو جائے، اور فریقین کے درمیان یہ شرط ہو جائے کہ وہ اجرت مالک کے ذمہ واجب ہوگی، جو عقد اجارہ میں طے ہوئی ہے، لیکن جس دن یہ اجرت ادا کرے گا، اس دن قیمتوں کے اشاریے میں جس تناسب سے اضافہ ہوا ہوگا، اسی تناسب سے وہ اجرت میں بھی اضافہ کر کے ادا کرے گا۔

مثلاً ایک شخص نے کسی کو ایک ہزار روپے پر ملازم رکھا، اور دونوں کے درمیان یہ طے ہو گیا کہ اجرت ایک ہزار روپے ہے، لیکن مالک پر یہ ضروری نہیں ہوگا کہ جس دن وہ یہ اجرت ادا کرے گا، اس دن قیمتوں کے اشاریے میں جس تناسب سے اشیاء کی قیمتوں میں

بابِ ہفتم

زرِ اعتباری یا زرِ تجارت (Credit Money)

اعتبار (Credit) کی حقیقت

''اعتبار'' انگلش لفظ "Credit" کا ترجمہ ہے، عربی میں کریڈٹ کو "الائتمان" کہتے ہیں، جس کے معنی اعتبار اور اعتماد کے ہیں۔

اصطلاحی تعریفات درج ذیل ہیں:۔

برٹانیکا میں کریڈٹ کی تعریف یوں کی گئی ہے:۔

Transaction between two parties in which one (the creditor or lender) supplies money, goods, services or securities in return for a promised future payment by the other (the debtor or borrower)(1)

''کریڈٹ ایک ایسا معاملہ ہے، جس میں ایک پارٹی زر، سامان، خدمات یا سیکورٹیز مہیا کرتی ہے، جبکہ دوسری طرف سے مستقبل میں موعود ادائیگی ہوتی ہے۔''

مختصر الفاظ میں یہ تعریف کی گئی ہے:۔

Present right to a future payment

آئندہ ادائیگی پر حالیہ حق کا نام کریڈٹ ہے۔ (۲)

کریڈٹ کی ایک اور تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:۔

---

(۱) Britannica V:3, P: 727

(۲) Footnotes on Introduction to Economics principles P: 343

زرِ اعتباری یا زرِ تجارت کی حقیقت

زرِ اعتباری یا زرِ تجارت کی تعریف یہ کی گئی ہے:-

صكوك مكتوبة بشكل قانوني محدد تتضمن التزاما بدفع مبلغ من النقود في وقت معين أو قابل للتعيين ويمكن نقل الحق الثابت بطريق التظهير والمناولة۔[1]

لکھے ہوئے صکوک ہیں جو محدود ہوں، اور قانونی شکل میں ہوں، اور جن میں اس بات کی ضمانت ہو کہ ایک معین وقت میں زر کی ایک مخصوص مقدار ان کی بنیاد پر دی جائے گی، اور جو حق واجب ہوا اس کو دوسرے کی طرف تظہیر یا مناولہ کے طریقے سے منتقل کرنا ممکن ہو۔

ڈاکٹر محمد زکی شافعی اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:-

ومن هنا يطلق عليها اصطلاح النقود الائتمانية لأن الائتمان عبارة عن الوعد بدفع مبلغ من النقود ومن هنا أيضا ليست النقود الائتمانية سوى ديون تترتب لصالح حاملها في ذمة الدولة أو البنوك وتعتمد فيما تتمتع به من قبول عام في المعاملات على عنصر الثقة۔[2]

اسی وجہ سے اس پر زرِ اعتباری کی اصطلاح کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ "ائتمان" زر کی مخصوص مقدار کے دینے کے وعدے کو کہتے ہیں، اسی وجہ سے زرِ اعتباری دیون ہی ہیں جو حکومت یا بینکوں کے ذمہ حاملین کے لئے واجب ہوتے ہیں، اور اعتماد کی بنیاد پر معاملات

(۱) أحكام الأوراق النقدية والتجارية للجعيد، ص ۲۲۔

(۲) مقدمة في النقود والبنوك، د. محمد زكي شافعي، بيروت، دار النهضة العربية، طبعة ...، ص ۴۲۔

اس عنوان کے تحت صرف زر اعتباری کی موٹی موٹی قسمیں بیان کرنی ہیں۔ ان اقسام کی مختلف اقسام اور احکام اور دیگر مختلف مالی دستاویزات کی تفصیل باب ہشتم میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

نوٹ

یاد رکھنا چاہئے کہ بہت سارے مصنفین نے کرنسی نوٹ کو بھی زر اعتباری کی اقسام میں ذکر کیا ہے، لیکن کرنسی نوٹ کی حیثیت اور تفصیلات گزشتہ ابواب میں ذکر ہو چکی ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کرنسی نوٹ بحالات موجودہ بذات خود "ثمن" ہے، لہٰذا قانونی اور شرعی لحاظ سے کرنسی نوٹ کی وہ حیثیت نہیں ہوگی جو دیگر آلات مثلاً چیک وغیرہ کی ہے۔

زر اعتباری کی اقسام سے متعلق بطور نمونہ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:-

الجمید فرماتے ہیں:-

تنقسم الاوراق التجارية الى ثلثة انواع:

اولا: الكمبيالة ....

ثانيا: السند ....

ثالثا: الشيك ......(1)

زر تجارتی کی تین قسمیں ہیں: ہنڈی، بانڈ، چیک۔

ڈاکٹر اے ایم اگروال کہتے ہیں:-

We shall now discuss the chief forms of credit instruments :
Promissory notes Bank Notes and currency notes , Bill of exchange ...Cheque ..Bank Draft.

اب ہم زر اعتباری کی کچھ موٹی قسمیں بیان کرتے ہیں: پرومیسری

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية للجمید (ص ۲۳۱)

نوٹ، بنک نوٹ، کرنسی نوٹ، ہنڈی، چیک اور بنک ڈرافٹ۔[1]

حسن نجفی کہتے ہیں:۔

وادوات الائتمان هي الاوراق التجارية الممثلة بالسفتجة والسند الاذني والشيك وهي اوراق قابلة للتحويل وتستخدم في عمليات الائتمان لآجال قصيرة. اوراق البنكنوت. الاوراق المالية وهي الاسهم والسندات۔[2]

انہوں نے شیئرز اور مختلف سرٹیفکیٹس کو بھی زرِ اعتباری میں شامل کیا ہے۔

ابراہیم صالح عمر کہتے ہیں:۔

فالنقود الورقية هي نقود ائتمانية لكونها ائتمانا يمنحه من يملك هذه النقود للجهة التي اصدرتها اى انها دين والتزام في ذمة المصرف المصدر لها۔[3]

انہوں نے کرنسی نوٹوں کو بھی زرِ اعتباری میں شمار کیا ہے۔

شیخ مبارک علی کہتے ہیں:۔

آلاتِ اعتباری مختلف اقسام کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے: چیک (Cheque) مبادلتی بل یا مبادلتی ہنڈی (Bill of Exchange) اقرارنامے (Promissory Notes) مطالباتی بنک ڈرافٹ (Bank Draft)۔[4]

---

(۱) Introduction to Economics principles P: 352

(۲) القاموس الاقتصادي التطبيقي، حسن النجفي، بغداد، مديرية مطبعة الادارة المحلية ۱۹۷۷م (ص ۹۹)

(۳) النقود الائتمانية، عمر ابراهيم بن صالح العمر، بيروت، دار العاصمة ۱۴۱۴هـ

(۴) تعارف زر و بنکاری، شیخ مبارک علی، ... ادارہ مطبوعات ... ، ... اے ... ، ۱۹۹۱ء (ص ۲۹۳)۔

زر اعتباری کا ارتقاء

اس میں شک نہیں کہ ہنڈی، چیک وغیرہ کا ارتقاء بینکنگ کے ارتقاء کے ساتھ ہی ہوا ہے، اور ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں کچھ مختصر جائزہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:-

بعض ماہرین اقتصاد کا خیال ہے کہ ہنڈی بصورت موجودہ قرون وسطیٰ میں متعارف ہوئی ہے، ان میں بعض نے اس کی تحدید بھی کی ہے کہ ہنڈی اٹھارویں صدی عیسوی میں متعارف ہوئی ہے، اور اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ یہ مقروض کے نیچے بطور آلہ استعمال ہوتی تھی، یعنی ایک ملک کے زر کے دوسرے ملک کے زر کے تبادلے میں ہنڈی کا طریقہ کار بطور آلہ استعمال ہوتا تھا۔

چیک انیسویں صدی کی نصف میں متعارف ہوا ہے، اور اس کے متعارف ہونے کا منشاء کمرشل بینکوں کا وجود میں آنا ہے۔

لیکن اس میں شک نہیں کہ زر اعتباری کی جڑیں بہت پرانی ہیں، چنانچہ دیکھئے فقہائے کرام نے "سفتجہ" (جس کا تفصیلی تذکرہ گزشتہ ابواب میں ہو چکا ہے) اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، اسی طرح "حوالہ" فقہ کی ہر کتاب میں مذکور ہے، اور اس کے بڑے تفصیلی احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یورپ نے ان کی اصل بھی یہیں سے لی ہے۔

چنانچہ بعض مستشرقین نے اس کی تصریح بھی کی ہے، جوزیف شاخت، ڈاکٹر ہولیتین، اور روڈسون سے وضاحت کے ساتھ یہ بات منقول ہے۔

جوزیف کے کلام میں ہے کہ Chaqac یہ فرانسیسی لفظ ہے جو "حوالہ" کی بگڑی ہوئی شکل ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چیک "صک" کی بگڑی ہوئی شکل ہو۔

روڈسون کہتے ہیں کہ اہل عرب کو تجارت کے میدان میں فضیلت وسبقت حاصل ہے، اہل عرب نے تجارت کو دفتری شکل دی، کفالہ کی وضاحت کی، قرض کے لئے بہت

"مروان بن الحکم کے زمانے میں لوگوں میں طعام کے صکوک ظاہر ہوئے، تو لوگ ان کا معاملہ قبل القبض کرنے لگے، چنانچہ زید بن ثابتؓ اور ایک اور صحابیؓ مروان بن حکم کے پاس تشریف لے آئے، اور کہا کہ آپ ربا کو جائز قرار دے رہے ہیں؟ مروان بن حکم نے کہا کہ اللہ کی پناہ، یہ کس طرح؟ انہوں نے کہا کہ یہ صکوک ہیں لوگ ان کی خرید و فروخت قبل القبض کر رہے ہیں، چنانچہ مروان بن حکم نے پہرداروں کو بھیجا کہ صکوک ضبط کریں، اور اصل مالکوں کو واپس کریں۔

اس کے تحت حضرت شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں:۔

"صکوک" "صک" کی جمع ہے، اس سے مراد وہ کاغذ (دستاویز) ہے، جس میں دین لکھا ہوا ہوتا تھا...... اور یہاں اس سے مراد وہ دستاویز ہے، جس میں حاکم مستحق افراد کے لئے راشن وغیرہ لکھ کر دیتا تھا کہ فلاں کا اتنا حصہ ہے، اور فلاں کا اتنا حصہ۔"

اس روایت سے یہ بات بالکل واضح اور صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ زر اعتباری کا رواج بہت پرانا ہے، البتہ اس کی نئی اور ترقی یافتہ شکلیں بعد میں وجود میں آئیں۔

زر اعتباری اور اس کے وظائف

زر اعتباری کے بہت سے معاشی اور اقتصادی فوائد ہیں، اور یہ کئی وظائف ادا کرتا ہے، ذیل میں ہم چند اہم وظائف کا ذکر کرتے ہیں:۔

۱۔ نقل زر سے استغناء:۔ نقلی زر اعتباری کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اس کی بدولت آدمی کو نقد ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی، یہ بات معلوم ہے کہ باہمی معاملات کے لئے آدمی کو نقل رقم کی ضرورت پڑتی ہے، مثلاً کوئی چیز خریدنی ہو،

یا کسی کو قرض دینا ہو وغیرہ تو ان کے لئے چیک ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا پڑتا ہے، تو زر تحریری کی وجہ سے آدمی اس مشقت سے محفوظ رہتا ہے، اسی کی وجہ سے چوری وغیرہ کا خوف بھی نہیں رہتا، چنانچہ ہنڈی (Bill of Exchange) اسی مقصد کے لئے ایجاد ہوا ہے، اور یہی وظیفہ چیک بھی ادا کرتا ہے۔

۲۔ ادائیگی کا آلہ (Instrument of Payment):۔ زر تحریری ادائیگی کا آلہ ہے، اور اسی کی وجہ سے ادائیگیوں میں بڑی سہولت ہو جاتی ہے، جس میں چیک سر فہرست ہے۔

۳۔ اعتماد کا آلہ ہے (Instrument of Credit):۔ زر اعتباری کو اعتباری اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سے اعتماد اور اعتبار پیدا ہوتا ہے، چنانچہ اسی اعتماد کی بنیاد پر زر اعتباری کے ذریعے باہمی لین دین ہوتا ہے۔ اعتماد زر تحریری کا اہم وظیفہ ہے۔

اب میں ذاتی طور پر چیکوں کے انتظام کے فوائد لکھتا ہوں:۔

چیکوں کے نظام کے فوائد

چیکوں کے ذریعے لین دین کا نظام بہت سے فوائد کا حامل ہے، مثلاً:۔

۱۔ سہل اور محفوظ طریقہ:۔ چیک ادائیگی اور وصولی دونوں کا انتہائی سہل اور محفوظ ذریعہ ہوتا ہے، چھوٹی سے چھوٹی رقم سے لے کر بڑی سے بڑی رقم کی ادائیگی اور وصولی کاغذ کے ایک ٹکڑے کی بدولت بلا خوف و خطر اور کوئی وقت ضائع کئے بغیر عمل میں آ جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ ملکوں میں بڑے سے بڑے کاروباری یا مستحق ادارے نقد رقوم کی بجائے چیکوں کے ذریعے لین دین کو زیادہ محفوظ سہل اور باکفایت سمجھتے ہوئے اپنی ادائیگیوں اور وصولیوں کے ذریعے کے طور پر پسند کر کے قبول کرتے ہیں۔

۲۔ ادائیگیوں کا محفوظ ذریعہ:۔ چیک کو ادائیگیوں کے لئے محفوظ ترین ذریعے کے طور پر بھی مقبول استعمال کیا جاتا ہے، کاروباری ادارے اور تاجر لوگ باہمی ادائیگیوں

خریدار کے درمیان ادھار کاروبار میں ثمن دین بن کر ایک اہم وسیلۂ ادائیگی بن کر دونوں فریقین کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

۲- ادائیگیوں کا محفوظ ذریعہ:- میعادی بل ادائیگی کے ایک محفوظ ذریعے کے فرائض بھی بخوبی انجام دیتا ہے، کیونکہ عدم ادائیگی کی صورت میں بل کا حامل شخص عدالتی چارہ جوئی کے ذریعے بآسانی بل کی رقم وصول کر سکتا ہے۔

۳- بل پر کٹوتی کا فائدہ:- میعادی بل مدت پوری ہونے سے پہلے بھی کیش ہو سکتا ہے جس کے لئے اسے بینک میں کٹوتی کے لئے پیش کیا جا سکتا ہے، کٹوتی کی صورت میں بینک بل کی بقیہ مدت کا سود مقررہ شرح سے کاٹ کر باقی نقد رقم ادا کر دیتا ہے۔

زر اعتباری کے معتبر ہونے کی شرطیں

اس قانون کے نزدیک "زر اعتباری" کے معتبر ہونے کی کچھ شرطیں ہیں جن کے بغیر زر اعتبار درست نہیں، اور قانوناً اس کے ساتھ زر سا معاملہ نہیں کیا جاتا، ذیل میں ہم ان شرطوں کا خلاصہ بیان کرتے ہیں:-

۱- باہمی رضامندی:- اس شرط کا پایا جانا مرتب (Drawer) اور مرتب الیہ (Drawee) دونوں میں ضروری ہے، مرتب کی طرف سے اس پر دستخط، اور مرتب الیہ کا اس کو وصول کرنا ہی ان دونوں کی رضامندی اور خوشی کی علامت ہے۔

۲- سبب:- یعنی جس کی وجہ سے یہ دستاویزی کاغذ تیار کیا جاتا ہے۔ جس کو "باعث" "وزن" بھی کہتے ہیں۔ لہٰذا سبب سے مراد وجہ تحریر ہے۔

۳- محل:- جس کی بدولت زر اعتباری زر ہوا اور وہ نقدی ہے، یعنی زر اعتباری کا محل "نقد" ہے، چنانچہ سامان وغیرہ پر مشتمل کاغذ زر اعتباری نہیں ہو سکتا۔

۴- اہلیت:- اہلیت کا پایا جانا ایک اہم شرط ہے جس کا پایا جانا ہر چیز کے لئے ضروری ہے، اہلیت کے بغیر کوئی چیز قانوناً و شرعاً معتبر نہیں، بلکہ ملکی قانون نے اہلیت کے

والے کے دستخط بھی کافی سمجھے جاتے ہیں۔

۲۔ تظہیر کے لئے ضروری ہے کہ وہ بل کو مکمل طور پر سپرد کئے جانے کے لئے ہونی چاہیے، یعنی بل کو جزوی طور پر کسی کے سپرد نہیں کیا جا سکتا، اور نہ ہی ایک بل کو ایک ہی وقت میں مختلف اشخاص کے سپرد کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ اگر بل کی ادائیگی دو یا دو سے زیادہ افراد کے حکم سے مشروط ہو، تو ایسی صورت میں فرداً فرداً ان تمام مجاز کی طرف سے ادا کی جانی چاہیے۔

۴۔ جب بل حسب حکم ادا کیا جانے والا ہو، اور اس میں سپردکنندہ کا نام غلطی سے لکھا گیا ہو تو ایسے شخص کو بل کسی دوسرے شخص کو سپرد کرتے وقت وہی نام لکھنا چاہیے جو بل پر لکھا گیا ہوتا ہم اگر وہ چاہے تو سپردگی (تظہیر) کے ساتھ اپنا صحیح نام لکھ دے، وہ بل میں لکھے گئے نام کی تصدیق بھی کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔

۵۔ اگر بل کئی بار تظہیر کے ذریعے منتقل کیا جاتا رہا ہو، تو اس صورت میں سپردگی کی اہمیت اور اصلیت اس کی ترتیب کے ذریعے ظاہر کی جاتی ہے، مثلاً ایک بل یکم جنوری کو انور کے نام سپرد کیا گیا، اور وہی بل تیس جنوری کو اکبر کے نام، اور اکبر نے وہی بل تیس جنوری کو حامد کے نام کر دیا، تو ایسی صورت میں انور، اکبر اور حامد کا حق بل پر اسی ترتیب سے قائم کیا جائے گا۔

تظہیر (Endorsement) کی اقسام

تظہیر کو مندرجہ ذیل سات اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:۔

۱۔ تظہیر محض (Blank Endorsement):۔ محض تظہیر بل کی پشت پر مجاز سپردکار کے محض دستخطوں پر مشتمل ہوتی ہے، اس قسم کی تظہیر اگر کسی بل کے پانے والے (Payee) یا سپردکنندہ (Endorsee) کی طرف سے کی گئی ہو، تو پھر وہ بل ایک عام حامل بل کی طرح تبدیل ادا ہوگا یعنی اسے جو شخص بھی پیش کرے گا، وہ اسے ادا کر دیا جائے گا۔

۲- خصوصی تظہیر (Special Endorsement):- خصوصی تظہیر یا سپردگی وہ ہے جو اس شخص کے نام مخصوص کردے جسے یا جس کے حکم سے بل قابل ادا ہو، اس قسم کی تظہیر میں سپردکار بل کی پشت پر اپنے دستخطوں کے ساتھ اس شخص کا نام بھی درج کردیتا ہے، جسے یا جس کے حکم سے وہ بل قابل ادا ہوتا ہے۔

۳- مشروط تظہیر (Conditional Endorsement):- مشروط تظہیر کی صورت میں بل کی ادائیگی کو کسی شرط کے پورا ہونے سے مشروط کردیا جاتا ہے، مثلاً اکرم کو اس بل کی رقم بل آف لینڈنگ (Bill of Landing) کی حوالگی پر ادا کردی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اکرم مذکورہ بل آف لینڈنگ کی حوالگی کے بعد ہی بل کی رقم وصول کرنے کا حقدار ہوگا۔

۴- جزوی تظہیر (Partial Endorsement):- جزوی تظہیر کی صورت میں بل کی کل رقم کا کچھ حصہ کسی اور شخص کو ادا کرنے کے لئے کہا جاتا ہے مثلاً ایک ہزار روپے کے اس بل میں سے سات سو روپے اکرم کو ادا کردیئے جائیں، جزوی تظہیر کی صورت میں اکرم اس بل میں سات سو روپے کی رقم وصول کرنے کا مجاز تو بن جاتا ہے مگر بل اس کے نام منتقل نہیں ہوسکتا ہے۔

۵- پابند تظہیر (Restrictive Endorsement):- پابند تظہیر کی صورت میں بل کی ادائیگی کسی خاص شخص کے لئے مخصوص کردی جاتی ہے مثلاً اس بل کی رقم صرف اکرم کو ادا کردی جائے، یا اس بل کی رقم صرف اس کھاتہ نمبر میں جمع کی جائے وغیرہ۔

۶- منفی تظہیر (Negative Endorsement):- جب سپردکار اپنے دستخطوں کے ساتھ ان الفاظ کا اضافہ کردے "بلا رجوع یا عدم ادائیگی کی ذمہ داری میری نہیں ہوگی (Sans Recourse or Without Recourse to Me)" تو اس حوالگی کے تحت منتقل کرنے والے پر بار ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، اور اگر وہ بلا اخراجات (Sans Frains) یا (No Charges) کے الفاظ لکھ دے، تو اس سے وہ دیگر قسم کے اخراجات کی

ذمہ داری سے مستثنیٰ ہو جائے گا۔

۷- مجاز تظہیر (Faculative Endorsement):- مجاز سپردگی وہ ہے جس میں سپردکار اپنے کچھ یا سارے حقوق سے دستبردار ہو جائے۔ مثلاً کسی شخص کے نام ایک بل کی عدم ادائیگی کے نوٹس کو واپس لے لینا مجاز سپردگی ہوگی۔

❖❖❖

باب ہشتم

مالیاتی دستاویزات

چونکہ مالیاتی دستاویزات کے شرعی حکم بیان کرنے میں "بیع الدین" اور "حوالہ" کی بحث بکثرت آئے گی، اور ان دستاویزات میں سے اکثر کا شرعی حکم اسی بحث پر موقوف ہے، اس لئے ضروری ہے کہ مالی دستاویزات پر گفتگو کرنے سے پہلے "بیع الدین" اور "حوالہ" سے بحث کی جائے، اس کی مختلف صورتیں بیان کی جائیں، اور ہر صورت کا شرعی حکم بیان کیا جائے۔

آج کل کے سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) میں "بیع الدین" کا عمل وسیع پیمانے پر ہونے لگا ہے، اور بہت سارے مالی دستاویزات میں اس کا رواج ہو گیا ہے، کبھی قیمت اسمیہ (Face Value) سے کم پر مالی دستاویز کا تبادلہ کیا جاتا ہے اور کبھی قیمت اسمیہ سے زیادہ پر۔

"بیع الدین" ترکیب اضافی ہے، جو دو اجزاء پر مشتمل ہے، یعنی بیع اور دین، بیع کے معنی فروخت (Sale) کرنے کے ہیں، اور دین کے معنی قرض (Debt) کے ہیں، تو اس مرکب کے معنی ہوئے "قرض کو فروخت کرنا"۔

بیع الدین کی بہت ساری صورتیں ہیں، جن کی مختصر تشریح حسب ذیل ہے:

١- بیع الدین بالدین

٢- بیع الدین ممن علیہ الدین

٣- بیع الدین من غیر من علیہ الدین

المحیل والقبول من المحال علیه والمحال جمیعا الخ۔[1]

شرائط حوالہ

حوالہ میں اطراف ثلاثہ یعنی محیل، محال لہ، اور محال علیہ تینوں کا عاقل ہونا، بالغ ہونا، اور تینوں کی رضامندی کا پایا جانا ضروری ہے۔ لہٰذا اطراف ثلاثہ میں سے کسی بھی طرف کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ نیز محال بہ کا دین ہونا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا اعیان کا حوالہ درست نہیں۔ نیز دین وغیرہ کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا حوالہ بالمجہول جائز نہیں۔ چنانچہ معاییر شرعیہ میں لکھا ہے:-

یشترط أن یکون کل من الدین المحال به والدین المحال علیه معلوما صحیحا قابلا للنقل۔[2]

اقسام حوالہ

حوالہ کی درج ذیل چار قسمیں ہیں:-

۱۔ حوالہ مقیدہ، ۲۔ حوالہ مطلقہ، ۳۔ حوالہ حالہ، ۴۔ حوالہ مؤجلہ۔

حوالہ مقیدہ:- اس میں محیل کا محال علیہ کے ذمہ کوئی دین یا عین واجب ہوتا ہے، اور حوالہ میں یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ محال علیہ اسی میں سے محیل کا دین ادا کرے گا، اس صورت میں محال علیہ کو دین کی ادائیگی کی صورت میں محیل کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں۔

حوالہ مطلقہ:- اس میں محیل کا محال علیہ کے ذمہ کوئی دین یا عین واجب الادا نہیں ہوتا، بلکہ مذکورہ بالا شرائط کے مطابق محال علیہ اپنے مال میں سے محیل کی طرف سے دین ادا کر دیتا ہے، اور پھر محیل کی طرف رجوع کر لیتا ہے کہ میری رقم دے دو۔

---

(۱) بدائع الصنائع للکاسانی، کتاب الحوالة (۶/۱۶)۔

(۲) المعاییر الشرعیة (ص ۱۰۱)۔

حوالہ حالہ:- یہ وہ حوالہ ہے کہ جس میں دین محتال علیہ کے ذمہ فی الحال واجب ہو، خواہ پہلے سے اس طرح ہو یا پہلے سے موجل ہو، لیکن حوالہ میں اجل کو ساقط کر دیا گیا ہو۔

حوالہ موجلہ:- یہ وہ حوالہ ہے کہ جس میں دین محتال علیہ کے ذمہ موجل طریقے سے واجب ہوتا ہے، خواہ پہلے سے اس طرح ہو یا پہلے سے معجل ہو، لیکن حوالہ میں اجل کی قید لگائی گئی ہو۔ [1]

احکام حوالہ

۱- حوالہ میں محیل اپنے دین سے بری ہوجاتا ہے۔

۲- اس میں محتال کو محال علیہ سے دین کے مطالبے کی ولایت حاصل ہوجاتی ہے۔

۳- اگر محتال محال علیہ کا تعاقب شروع کرے، تو محال علیہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ محیل کو تعاقب کرے۔

محال علیہ حوالہ سے کس طرح خارج ہوگا؟ اس کی صورتیں

۱- حوالہ فسخ ہوجائے۔

۲- توی کی صورت میں، جس کی تفصیل اصطلاحات کے ذیل میں گزرگئی۔

۳- محال علیہ دین کو ادا کرے۔

۴- محتال دین محال علیہ کو ہبہ کرے۔

۵- محتال دین محال علیہ کو صدقہ کرے۔

۶- محتال مرجائے، اور محال علیہ اس کا وارث ہو۔ [2]

---

(۱) المعاییر الشرعیة ، ص ۱۰۰۔

(۲) کل ذلک ماخوذ من بدائع الصنائع للعلامة الکاسانی کتاب الحوالة۔ کذا فی المکتبة الشاملة۔

چیک (Bank Cheque)

بیع الدین اور حوالہ کی بحث کا خلاصہ ذکر کرنے کے بعد اب ہم اللہ تعالیٰ کے نام سے مالیاتی دستاویزات کا مختصر جائزہ لے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہر مرحلے پر اپنی مدد شامل حال رکھے۔

چیک کی تعریف

چیک ایک قسم کا تحریری اور دستخط شدہ حکم نامہ ہوتا ہے جس میں بینک کا کوئی کھاتہ دار بینک کو اس کے ذریعے ایک مخصوص رقم کسی دوسرے شخص کو ادا یا منتقل کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔[1]

ڈاکٹر محمد عثمان شبیر "چیک" کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

الشيك مأخوذ من الصك وهو وثيقة بمال أو نحوه والشيك محرر يتضمن أمرا مكتوبا يطلب به الساحب من المسحوب عليه (المصرف) أن يدفع بمجرد الاطلاع عليه مبلغا معيّنا من النقود لشخص معيّن أو لإذنه أو لحامله۔

چیک صک سے لیا گیا ہے، صک مال وغیرہ کے وثیقے کو کہتے ہیں، اور چیک ایک مکتوب ہے جس میں ایسا حکم لکھا ہوا ہوتا ہے جس کے ذریعے لکھنے والا بینک سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس پر مطلع ہونے کے بعد ایک خاص مقدار رقم کی کسی خاص شخص یا اس کے اذن سے یا حامل (Bearer) کو ادا کرے۔[2]

---

(۱) تقی عثمانی، [illegible] (ص: ۲۲۳)۔

(۲) المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الإسلامي، شبير، محمد عثمان شبير، الأردن، دار النفائس، طبعة ثالثة ۱۴۱۹ھ

"ب" سے مراد وہ فریق ہے جس کو چیک پیش کیا جاتا ہے، جو عموماً بینک ہی ہوتا ہے، اور
"ج" سے مراد وہ شخص ہے جس کو چیک میں درج شدہ رقم مل جائے۔

چیک اور مبادلاتی بل (Bill of Exchange) میں چند نمایاں فروق

۱۔ مبادلاتی بل کسی بھی شخص کے نام جاری کیا جاسکتا ہے، جبکہ چیک صرف متعلقہ بینک کے نام ہی جاری کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ مبادلاتی بل جس کے نام جاری کیا جائے، اس کی طرف سے اس کی قبولیت ضروری ہے، جبکہ چیک میں بینک کی طرف سے قبولیت ضروری نہیں۔

۳۔ مبادلاتی بل کی ادائیگی مطالبے یا مستقبل کی کسی قابل تعین تاریخ پر ہوتی ہے، جبکہ چیک کی ادائیگی اس پر لکھی ہوئی تاریخ کے مطابق مطالبے پر ہوتی ہے۔

۴۔ مبادلاتی بل کراس نہیں کیا جاسکتا، جبکہ چیک کو کراس کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ مبادلاتی بل میں ڈسکاؤنٹ ہوسکتا ہے، جبکہ چیک میں کوئی ڈسکاؤنٹ نہیں کیا جاسکتا۔

۶۔ مبادلاتی بل میں درج رقم قسطوں میں ادا کی جاسکتی ہے، جبکہ چیک میں درج شدہ رقم کو قسطوں میں ادا نہیں کیا جاسکتا، وغیرہ۔

چیک کی چند مشہور اقسام

بینک چیک کی بہت ساری قسمیں ہیں، یہاں چند مشہور اقسام کو ذکر کیا جاتا ہے:۔

۱۔ حامل چیک (Bearer Cheque):۔ یہ چیک کی ایک عام اور سادہ ترین قسم ہے، اس قسم کا چیک بینک میں جو شخص بھی پیش کرتا ہے، بینک اس کی بلا حیل وحجت ادائیگی کرتا ہے، اس قسم کے چیک کی ادائیگی کا بینک ہرگز ذمہ دار نہیں ہوتا، کیونکہ اس پر اس قسم کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ وہ اس امر کی لازمی تصدیق کرے کہ اس کے کھاتہ دار نے وہ چیک جس شخص کے نام جاری کیا ہے، آیا اسے پیش کرانے والا واقعی وہی شخص

ہے یا کوئی دوسرا، جو شخص بھی اسے پیش کرے بینک اسے ادائیگی کرتا ہے، بشرطیکہ چیک کے ضروری مندرجات میں کوئی غلطی نہ ہو۔

۲- ہدایتی چیک (Order Cheque):- یہ وہ چیک ہوتا ہے جو جس شخص کے نام جاری کیا گیا ہو، بینک اس شخص کے نام کی ضروری تصدیق اور تسلی کے بعد ہی اس کی ادائیگی کرتا ہے، نام کی تصدیق کرانا اس شخص کی ذمہ داری ہوتی ہے جس کے نام یہ وہ چیک جاری کیا گیا ہو، تصدیق کے بعد یہ ذمہ داری بینک کی بن جاتی ہے کہ جس کے نام چیک جاری کیا گیا ہے یہ چیک مجوزہ شخص کے علاوہ کوئی دوسرا شخص کیش نہیں کرا سکتا۔

۳- خط کشیدہ چیک (Cross Cheque):- یہ محفوظ ترین چیک ہوتا ہے، کیونکہ وہ جس شخص یا ادارے کے نام جاری کیا گیا ہو وہی اسے کیش کرانے کا مجاز ہوتا ہے۔ اس میں جعل سازی کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں، نیز یہ چیک اکاؤنٹ میں جمع کیا جاتا ہے، براہ راست کیش نہیں ہوتا، اور اس کی کسی چوری وغیرہ کا بھی اندیشہ نہیں ہوتا۔

۴- پس تاریخی چیک (Post Dated Cheque):- یہ وہ چیک ہوتا ہے جو آئندہ کی کسی تاریخ کے لئے جاری کیا گیا ہو، مثلاً آج تیس ستمبر ۲۰۰۶ء کو ایک تاجر کسی ادائیگی کے سلسلے میں کسی دوسرے تاجر کو پندرہ دسمبر ۲۰۰۶ء کی تاریخ کا چیک دیتا ہے، اس چیک کا مقصد تاخیر سے ادائیگی کرنا ہوتا ہے تاکہ ادائیگی کرانے والے کو اس دوران اپنے کھاتے میں مطلوبہ رقم جمع کرانے کی سہولت حاصل ہو جائے، اور چیک وصول کرنے والے کو یہ تسلی رہے کہ اسے دی گئی تاریخ پہ وصولی ہو جائے گی، ایسا چیک مقررہ تاریخ سے قبل کیش نہیں کیا جا سکتا۔

چیک کو مسترد (Dishonour) کرنے کی وجوہات

بینک درج ذیل قسم کی وجوہات کی بناء پر چیک کو مسترد کر سکتا ہے:-

۱- دستخطوں میں فرق ہو۔

۳- اور اگر محرر کا بینک میں بیلنس نہیں، اور محرر اپنے لئے بینک سے رقم نکلواتا ہے تو یہ قرض کا مطالبہ ہے کیونکہ بینک مقرض ہے اور محرر مستقرض ہے۔

۴- اور محرر کا بینک میں بیلنس نہیں، اور محرر کسی اور کو چیک لکھ کر دیتا ہے، اور وہ محرر کا دائن ہے تو یہ بھی حوالہ ہے، جس کی تفصیل دوسری حالت میں گزر گئی۔

اور "Shari'a Standards" میں چیک کی شرعی تکییف کے بارے میں جو خلاصہ لکھا گیا ہے، وہ انہی کے الفاظ میں ذیل میں ملاحظہ ہو:-

An issuance a cheque against a current account is a form of hawala if the beneficiary is a creditor of the issuer or the account holder for the amount of the cheque, in which case the issuer, the bank and the beneficiary are the transferor, the payer and the transferee respectively.

If the beneficiary is not a creditor to the issuer of the cheque, then this is not a hawala transaction because there can be no hawala transaction without an existing debt. In the absence of a debt, the transaction becomes an agency contract for recovery of the amount of the debt on behalf of the transferor, which is lawful in Sharia.

If the beneficiary of the amount of a cheque is a creditor to the issuer, then issuing a cheque against the account of the issuer without a balance is unrestricted transfer of debt if the bank accepts the overdraft. If the bank rejects the overdraft, then this is not considered a transfer of debt, in which case the potential beneficiary may have recourse to the issuer.

The holder of a traveler's cheque, the value of which has been paid by him to the issuing institution, is a creditor to such an institution. If the holder of the traveler's cheque endorses the cheque in favour of his creditor, it becomes a transfer of debt in favour of a third party against the issuing institution that is a debtor to the holder

والفضة به لفقدان التقابض في المجلس ويجوز لموقعه ان يعزل حامله عن الوكالة قبل ان يبلغ به الى البنك۔

صحیح یہ ہے کہ بینک چیک ایک سند ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے اس پر دستخط کئے ہیں، وہ حامل کو وکیل بناتا ہے تاکہ وہ اس کا دین وہاں سے وصول کرے، اور پھر مقاصہ ہوجائے، لہٰذا چیک ثمن نہیں، اس لئے چیک پر قبضہ اس کے اندر درج شدہ رقم پر قبضہ تصور نہیں ہوگا جب تک اس کو کیش نہ کرایا جائے، جب تک فقیر اس کو کیش نہ کرائے، اس وقت تک اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، نیز چیک سے سونا چاندی کی خریداری بھی جائز نہیں، کیونکہ مجلس کے اندر تقابض نہیں پایا جاتا، اور اس کے دستخط کنندہ کے لئے جائز ہے کہ اس کے حامل کو وکالت سے معزول کرے، جب تک وہ اس کو لے کر بینک نہ پہنچ جائے۔(۱)

کتاب البنک الملاربوی اور شرعیہ اسٹینڈرڈ زکی مذکورہ عبارات کی روشنی میں بندے کا خیال یہ ہے کہ بعض صورتوں میں چیک کا معاملہ ضرور حوالے کے زمرے میں آجاتا ہے، اس لئے علی الاطلاق چیک میں حوالے کی نفی بظاہر درست نہیں، اور اس کو ہر حال میں محض رسید قرار دینا اور اس معاملے کو وکالت قرار دینا محل نظر ہے، نیز فقط کشیدہ حکم بظاہر اس وقت ہے جبکہ سونے یا چاندی پر بھی مجلس عقد میں قبضہ نہ ہو، ورنہ اگر سونے یا چاندی پر مجلس عقد میں قبضہ پایا جائے تو میرے خیال میں یہ معاملہ درست ہونا چاہئے، کیونکہ چیک میں درج شدہ رقم کوئی کرنسی ہوگی، اور کرنسی کے ساتھ سونے چاندی کا اُدھار معاملہ درست ہے، کیونکہ یہ بیع صرف میں داخل نہیں۔

---

(۱) تكملة فتح الملهم شرح الصحيح لمسلم، العثماني (محمد تقي العثماني) كراتشي، مكتبة دار العلوم كراتشي (۱:۵۸۱)۔

ہنڈی (Bill of Exchange)

"Bill of Exchange" کی حقیقت اور تعریف

اس کی حقیقت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اپنی مشہور اردو تصنیف "اسلام اور جدید معیشت وتجارت" میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔

بل آف ایکسچینج ایک خاص قسم کی دستاویز ہے، جب کوئی تاجر اپنا مال فروخت کرتا ہے تو خریدار کے نام بل بناتا ہے، بعض اوقات اس بل کی ادائیگی کسی آئندہ تاریخ میں واجب ہوتی ہے، اس بل کو دستاویز کی شکل دینے کے لئے مدیون اس کو منظور کرکے اس پر دستخط کردیتا ہے کہ میرے ذمہ فلاں تاریخ کو اس بل کی ادائیگی واجب ہے، اس کو عربی میں "کمبیالۃ"، اردو میں "ہنڈی" اور انگریزی میں "Bill of Exchange" کہتے ہیں، اور اس کو "مبادلاتی بل" بھی کہتے ہیں، اس دستاویز میں ادائیگی کی جو تاریخ لکھی ہوئی ہوتی ہے، اس تاریخ کے آجانے کو عربی میں "نضج الکمبیالۃ" اور انگریزی میں "Maturity" کہتے ہیں، اس تاریخ ادائیگی کو 'Maturity Date' کہتے ہیں۔ ہنڈی میں لکھا ہوا دین تو مدیون سے تاریخ ادائیگی آنے پر ہی لیا جاسکتا ہے، مگر دائن کو فوری طور پر رقم کی ضرورت ہوتی ہے تو کسی تیسرے شخص کو وہ بل دے کر لکھی ہوئی رقم لے لیتا ہے، اور اس کی پشت پر دستخط کرکے اس کے حقوق اس تیسرے شخص کی طرف منتقل کردیتا ہے، تیسرا شخص اس پر لکھی ہوئی رقم میں کٹوتی بھی کردیتا ہے، مثلاً ہنڈی پر ایک ہزار روپے لکھے ہوئے ہیں تو وہ نوسو پچاس روپے دیتا ہے، اس عمل کو عربی میں "خصم

الکمبیالہ" اور انگریزی میں "Discounting of the Bill of Exchange" اور اردو میں "بٹہ لگانا" کہتے ہیں۔ اور ہنڈی کی پشت پر جو دستخط کئے جاتے ہیں ان کو عربی میں "تظہیر" اور انگریزی میں "Endorsement" کہتے ہیں، اور اردو میں "عبارت ظہری لکھنا" کہتے ہیں۔ ہنڈی پر بٹہ لگانے کی شرح "Maturity" کو مدنظر رکھ کر طے ہوتی ہے، تاریخ ادائیگی جتنی قریب ہوتی جائے، بٹہ لگانے کی شرح کم ہوتی جاتی ہے۔ بینک بھی عموماً ہنڈی کی ڈسکاؤنٹنگ کرتے ہیں، اور یہ بھی بینکوں کے قصیر المیعاد قرضوں میں داخل ہے۔ اس لئے کہ اس کی ادائیگی "Maturity" عموماً تین ماہ میں ہوتی ہے۔"[1]

اسی کو مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی مشہور عربی تصنیف "بحوث" میں درج ذیل الفاظ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے:۔

النوع الثاني من الأوراق المالية التي تتداول في السوق اليوم تسمى كمبيالة وهي عبارة عن الوثيقة التي يكتبها المشتري للبائع في بيع مؤجل ويعترف فيها بانه وجب في ذمته ثمن المبيع، وانه يلتزم باداءه في تاريخ آجل، وان البائع حامل الكمبيالة ربما يريد استعجال الحصول على مبلغها فلا ينتظر إلى تاريخ نضج الكمبيالة بل يبيعها إلى طرف ثالث باقل من قيمتها الاسمية ويسمى حسم الكمبيالة او خصم الكمبيالة "Discounting" والعادة في

---

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت، عثمانی، محمد تقی عثمانی، کراچی، مکتبہ معارف القرآن کراچی، طبع جدید ۱۴۲۳ھ، ص ۱۲۲۔

سوق الأوراق أن مقدار هذا الحسم نسبة مئوية من مبلغ الكمبيالة تحدد على أساس مدة نضجها فكلما كانت مدة نضجها أكثر كانت نسبة الحسم أكثر وكلما كانت المدة أقل كانت نسبة الحسم أقل۔[1]

اس کا حاصل بھی وہی ہے جو اردو متن میں بیان ہوا۔

ڈاکٹر عبدالعزیز فہمی ہیکل نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

هي نوع من السندات الإذنية التي تستخدم في التجارة الخارجية في الدول الغربية يتعهد بموجبها الساحب (The Drawer) وبدون شروط أن يدفع للمسحوب (The Drawee) لصالحه مبلغاً من المال في تاريخ معين۔

یہ ان دستاویزات میں سے ہے جو بیرونی تجارت میں مغربی ممالک میں استعمال ہوتی ہے، اس کی بموجب لکھنے والا ذمہ داری لیتا ہے بغیر کسی شرط کے کہ وہ مستفید کو کسی خاص تاریخ میں مال کی ایک مقدار دے گا۔[2]

آکسفورڈ نے اس کی یوں تعریف کی ہے:-

A bill of exchange is an order from a creditor to the debtor to pay a certain sum of money to himself or to the bearer.

بل آف ایکسچینج دائن کی طرف سے مدیون کے لئے ایک حکم نامہ ہے

---

(۱) بحوث في قضايا فقهية معاصرة، العثماني، محمد تقي العثماني، كراتشي، مكتبة دار العلوم كراتشي، طبعة جديدة ۱۴۲۶ھ / ۲۰۰۵ء۔

(۲) موسوعة المصطلحات الاقتصادية والإحصائية، هيكل، الدكتور عبد العزيز فهمي هيكل، بيروت، دار النهضة العربية، ص: ۴۶۰

کہ مدیون دائن کو یا حامل کو خاص مقدار پیسوں کی ادا کرے۔[1]

بل آف ایکسچینج ایکٹ مجریہ ۱۸۸۲ء میں اس کی تعریف ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے:-

> An unconditional order in writing, addressed by one person to another singed by the person giving it, requiring the person to whom it is addressed to pay on demand or at a fixed or determinable future time a sum certain in money or to the order of a specified person, or to bearer.

> مبادلاتی بل ایک غیر مشروط تحریری حکم نامہ ہے جو حکم دینے والے شخص یا فریق کے دستخطوں سے کسی دوسرے شخص یا فریق کے نام جاری کیا جاتا ہے، جس میں ایک مخصوص رقم اس میں مذکورہ شخص کو یا اس کے حکم پر کسی دوسرے شخص یا حامل بل کو اس کے مطالبے پر یا آئندہ کی کسی مقررہ تاریخ کو یا کسی قابل تعیین تاریخ کو ادا کرنے کے لئے کہا گیا ہوتا ہے۔[2]

ہنڈی کی شرائط

ہنڈی یا مبادلاتی بل میں مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:-

۱- یہ ایک حکم نامے کی صورت میں ہونا چاہئے، درخواست یا گزارش وغیرہ کی صورت میں نہیں ہونا چاہئے۔

۲- یہ حکم نامہ غیر مشروط ہونا چاہئے یعنی اس میں درج رقم کی ادائیگی کو کسی شرط کے پورا ہونے سے مشروط نہیں ہونا چاہئے۔

۳- یہ حکم نامہ تحریری شکل میں ہونا ضروری ہے۔

---

(1) Intrudaction to Economic Principles. Dr. A.N.Agarwal

(۲) بحوالہ تعارف زر و بنکاری شیخ مبارک علی (ص:۲۴۳)۔

۴۔ یہ تحکم نامہ ایک شخص یا فریق کی طرف سے کسی دوسرے شخص یا فریق کے نام ہونا چاہیے، اگر بل مرتب کرنے والا اور جس کے نام مرتب کیا گیا ہو، دونوں ایک ہی شخص ہوں تو اس کا شمار مستند بل میں نہیں ہوگا۔

۵۔ بل مرتب کرنے والے پر اس کے دستخط ہونے چاہئیں، اگر اس شخص کا تعلق کسی کمپنی سے ہو تو وہ ذی اختیار شخص ہونا چاہیے۔

۶۔ بل میں لکھی ہوئی مخصوص رقم کی ادائیگی اس کے مطالبہ پر یا آئندہ کی کسی مقررہ تاریخ کو یا مستقبل کی کسی قابل تعین تاریخ کو ہونی چاہیے۔

۷۔ بل میں قابل ادائیگی مخصوص رقم کا اندراج ہونا چاہیے، اگر قابل ادا مخصوص رقم کا اندراج نہیں ہوگا تو اس بل کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی۔

۸۔ بل کی رقم بل میں مذکورہ شخص کو یا اس کے حکم پر کسی دوسرے مخصوص شخص کو یا حامل کو ادا ہونی چاہیے۔[1]

بل آف ایکسچینج کی چند مشہور قسمیں

اس بل کو اس کی نوعیت کے اعتبار سے ان تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:-

۱۔ بلحاظ مقام ۲۔ بلحاظ مقصد ۳۔ بلحاظ ادائیگی قیمت

بلحاظ مقام

بلحاظ مقام بل کی دو قسمیں ہیں:

ملکی بل (Inland Bill) :- یہ وہ بل ہے جسے اندرون ملک ہی تجارتی لین دین میں استعمال کیا جا سکتا ہے، دوسرے لفظوں میں بل کے فریقین کا تعلق ایک ہی ملک سے ہوتا ہے، اور اس بل کے عوض رقم کا لین دین بھی اندرون ملک ہی ہوگا۔

غیر ملکی بل (Foreign Bill) :- یہ وہ بل ہوتا ہے جس کے فریقین میں ملکی

---

(۱) تعارف زر و بنکاری، شیخ مبارک علی۔

تاجر کے علاوہ غیر ملکی تاجر بھی شامل ہو، مثلاً اگر پاکستان کے کسی تاجر نے سنگاپور کے کسی تاجر کے نام کوئی بل بنایا ہے، اور اس نے بل کی ادائیگی تحریری طور پر قبول کرلی ہے، تو یہ بل غیر ملکی بل کہلائے گا۔ کیونکہ اس بل کی ادائیگی سنگاپور میں ہوگی۔

بلحاظ مقاصد

اس لحاظ سے بھی بل کی دو قسمیں ہیں:-

تجارتی بل (Commercial Bill):- وہ بل جو تجارتی لین دین کے تصفیے کے لئے بنایا جائے، اسے تجارتی بل کہتے ہیں، کاروباری دنیا میں اکثر و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ کسی شی کا خریدار اس کی رقم فروخت کنندہ کو نقد ادا کرنے کے بجائے اس سے مستقبل میں ادائیگی کے لئے بل بنوالیتا ہے، اور اس پر اس امر کی اپنی قبولیت ثبت کردیتا ہے کہ وہ بل میں درج رقم اس کی ہدایت کے مطابق دی گئی مقررہ تاریخ کو ادا کرے گا۔

اعانتی بل (Accommodation Bill):- یہ بل تجارتی ادھار کے لین دین کے تصفیے کے لئے نہیں، بلکہ کسی کی مالی اعانت کے لئے بنائے جاتے ہیں، ایسے بلوں کا مقصد کسی شخص کو اس کی کوتاہی کا موقع فراہم کرکے کچھ عرصے کے لئے اس کی مالی اعانت کرنا ہوتا ہے۔

بلحاظ ادائیگی وقت

اس لحاظ سے بھی بل کی دو قسمیں ہیں:-

عندالطلب (On Demand Bill):- وہ بل جو پیش کرنے یا دکھانے پر قابل ادائیگی ہو، اسے عندالطلب بل کا نام دیا جاتا ہے۔

مدتی بل (Time Bill):- یہ وہ بل ہوتا ہے جو مستقبل میں کسی مخصوص تاریخ یا کسی معینہ مدت کے بعد قابل ادائیگی ہو، یہ مدت یا تو بل کی اجرائی تاریخ سے شروع ہوتی ہے یا پھر قبولیت کی تاریخ سے۔

طرف سے کوئی مجاز شخص اپنی تحریری قبولیت کا اندراج بل پر کردے، اس کے بغیر بل کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی۔

بل کی کٹوتی (Discounting of Bill of Exchange)

تجارتی دنیا میں ادھار میں دینے میں سہولت کے پیش نظر مدتی بل عموماً زیادہ استعمال کئے جاتے ہیں، مدتی بل کی ادائیگی کے لئے مستقبل کی کوئی تاریخ مقرر ہوتی ہے، چنانچہ اگر حامل بل کو بل میں لکھی ہوئی رقم کی مقررہ مدت سے ضرورت پڑ جائے تو اسے کٹوتی کے لئے کسی بینک میں پیش کرتا ہے، آج کے ترقی یافتہ دور کے تقریباً تمام تجارتی بینک اس قسم کے بلوں پر کٹوتی کی سہولت مہیا کرکے کاروباری لوگوں کو مالیات فراہم کرنے کے کاروبار میں سرگرم عمل ہیں، دراصل بینک ایسے بل کو خریدتے ہیں، اور اس کے عوض بل میں درج شدہ رقم سے کچھ کم رقم ادا کرتے ہیں، کٹوتی کا تعین بینک کی مروجہ شرح سود کے مطابق کیا جاتا ہے، اس قسم کی کٹوتی کو بینک کی طرف سے حامل بل کے لئے ایک قسم کا قلیل مدتی قرضہ بھی کہا جا سکتا ہے جس پر بینک کٹوتی کی صورت میں پیشگی سود وصول کر لیتا ہے۔

ہنڈی (Bill of Exchange) کی شرعی تکییف

اگر مرتب (ساحب) مستفید کا مدیون ہو تو اس صورت میں ہنڈی از قبیل حوالہ ہے، مرتب محیل ہوگا، مرتب الیہ محال علیہ ہوگا، اور مستفید محال ہوگا، اور اگر مرتب مستفید کا مدیون نہ ہو تو اس صورت میں ہنڈی از قبیل حوالہ نہیں ہوگا، بلکہ یہ وکالہ ہوگا۔

پھر جاننا چاہئے کہ اگر مرتب اور مرتب الیہ میں مدیونیت کا علاقہ نہ ہو تو یہ قرض مطلق ہے۔

في المعايير الشرعية، تعتبر الكمبيالة من قبيل الحوالة
إذا كان الشخص المستفيد الذي سحبت لأمره دائنًا
للساحب، ويكون الساحب هو المحيل الذي يصدر أمرًا

للمسحوب عليه بدفع مبلغ معين من النقود في تاريخ معين للمستفيد المحدد.

أما الجهة الملتزمة بدفع المبلغ المعين (المسحوب عليه) فهي المحال عليه، والمستفيد حامل الكمبيالة هو المحال، فإن لم يكن المستفيد دائنًا للساحب كان إصدار الكمبيالة توكيلًا من الساحب للشخص في قبض واستيفاء مبلغ الكمبيالة.

تعتبر الكمبيالة في حال عدم وجود مديونية بين الساحب والمسحوب عليه من قبيل الحوالة المطلقة.[1]

اس عبارت کا حاصل وہی ہے، جو ہم نے اوپر بیان کیا۔

وفي تكملة فتح الملهم: فأما البون والكمبيالة والوثائق الأخرى التي يكتب عليها مبلغ الدين منذ يوم إجرائها، فإن التعامل بها حوالة صحيحة بلا ريب لأن الذي أصدرها قد كتب عليها إني مدين لكل من يحملها بهذا المبلغ المعلوم فكلما سلمها حاملها إلى رجل آخر، فقد احال دينه عليه، وقد وجد رضا المحيل والمحتال صريحًا ورضا المحتال عليه ضمني لأن المحتال عليه هو الذي اجرى هذه الأوراق أول مرّة وقد رضي بأداء مبلغها إلى كل من يحملها فرضاه عام لكل من يحملها وأما تلفظ الإيجاب والقبول فلا يشترط في الحوالة بل تنعقد الحوالة بالتعاطي كما ينعقد البيع.

---

(۱) المعايير الشرعية هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الإسلامية ۱۴۲۳ هـ

بانڈ، ہنڈیاں اور دیگر مالی دستاویزات جن پر قابلِ ادا رقم لکھی ہوتی ہوتی ہے، جاری کرنے کے لحاظ سے ان کے ساتھ تعامل بلاشبہ حوالہ سمجھی ہے، کیونکہ جس نے اس کو جاری کیا ہے، اس نے اس پر لکھا ہے کہ میں ہر اس شخص کا مدیون ہوں جس کے پاس یہ بل موجود ہو، پس جب وہ یہ بل کسی اور آدمی کو دیتا ہے تو وہ حوالہ کر رہا ہے، اس میں محیل اور محتال کی رضامندی صراحۃً پائی جاتی ہے، اور محال علیہ کی رضامندی ضمناً پائی جاتی ہے، کیونکہ وہ جاری کرتے وقت اس بات پر راضی ہے کہ وہ اس میں لکھی ہوئی رقم ہر اس شخص کو ادا کرے گا جس کے پاس یہ بل موجود ہو، جہاں تک ایجاب وقبول کے الفاظ کا تعلق ہے تو وہ حوالہ میں شرط نہیں، (کسی عقد میں شرط نہیں ہے) بلکہ یہ تعاطی سے بھی منعقد ہو جاتا ہے، جیسا کہ بیع تعاطی سے منعقد ہو جاتی ہے۔[1]

کٹوتی (Discounting) کا حکم

جمہور علمائے معاصرین نے کہا ہے کہ یہ بیع الدین من غیر من علیه بأقل منه ہے جو ناجائز ہے، بیع الدین کی پوری تفصیل شروع میں ذکر ہو چکی ہے۔

فقہائے کرام نے ایک چیز کا ذکر کیا ہے، جو ہنڈی کے مشابہ ہے، وہ اس کو "جامکیہ" کا نام دیتے ہیں، یہ ایسی دستاویز کو کہتے ہیں جس کو بیت المال یا متولی وقف کسی ایسے شخص کے لئے جاری کرتا ہے، جس کا بیت المال یا وقف میں مالی حق موجود ہو، اور اس کو چیزوں کی فی الحال ضرورت ہے، تو وہ کسی آدمی سے کہتا ہے کہ جامکیہ میں جو رقم لکھی ہوئی ہے اس سے کم مجھے دے دو، تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ بیع الدین میں داخل ہے، علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح ذکر کیا ہے:

---

(۱) تكملة فتح الملهم شرح الصحيح لمسلم، العثماني (محمد تقي العثماني)، كراتشي: مكتبة دار العلوم كراتشي، [illegible]

طرف راجع ہوجاتے ہیں جس سے دَین خریدا ہوتا ہے۔ اور حوالہ میں محیل ہی دائن رہتا ہے، وہ بری الذمہ نہیں ہوتا، اگر محتال کو دَین نہ ملے تو وہ محیل کی طرف رجوع کا حق دار ہوتا ہے، اور آج کل ڈسکاؤنٹنگ میں صورتِ حال یہی ہوتی ہے کہ اگر بٹہ لگانے والے (Discounter) کو ثمن وصول نہ ہو تو وہ اصل دائن سے رجوع کرتا ہے، لہٰذا یہ "بیع الدَّین من غیر من علیہ الدَّین" نہیں، بلکہ "حوالۃ الثمن بالنقص من الدَّین" ہے۔[1]

اس کو حضرت مفتی صاحب اپنی عربی تصنیف میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔

والذي يظهر لي ان حسم الكمبيالة ليس بيعًا في الحقيقة وإنما هو إقراض وحوالة، فالذي يحسم الكمبيالة يقرض إلى حاملها مبلغًا ثم يحيل الحامل المقترض إياه على مصدر الكمبيالة واستدل على ذلك ان في قوانين معظم البلاد لا يتحمل الحاسم خطر عدم التسديد بل يحق له ان يرجع على حامل الكمبيالة إذا لم يقع التسديد من مصدر الكمبيالة وهذا شأن الحوالة على مذهب الحنفية۔[2]

Bill of Exchange کی کٹوتی کا شرعی متبادل (Alternative)

اس کی کئی جائز صورتیں ہوسکتی ہیں، ان میں سے ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تاجر اس بل کو فروخت کرنے کی بجائے بینک کو اپنا قرض وصول کرنے کا وکیل بنائے، اور

---

(۱) اسلام اور جدید معیشت وتجارت، ص: ۱۵۰۔

(۲) بحوث في قضايا فقهية معاصرة، العثماني (محمد تقي العثماني) كراتشي، مكتبة دار العلوم كراتشي، طبع جديد ۱۴۳۲ھ

اس کے لئے وکالہ فیس مقرر کردے، پھر اس بینک سے بل پر درج شدہ رقم کے برابر قرض لے لے، بینک تاجر کے وکیل کی حیثیت سے قرض وصول کرنے کے بعد تاجر کو دیئے ہوئے قرض کے بدلے میں اپنا قرض وصول کرے۔

مثلاً: زید کے پاس ایک بل ہے جس پر ایک لاکھ روپے کا مبلغ درج ہے، تو زید بینک کو وکیل بناتا ہے کہ وہ اس رقم کو بل کے جاری کرنے والے سے ایک ہزار روپے کے عوض وصول کرے، پھر بینک زید کو عقد مستقل کے ساتھ ننانوے ہزار روپے قرض دیتا ہے، پھر جب بینک ایک لاکھ روپے اصل آدمی سے وصول کرے گا تو مقاصد پورے ہو جائیں گے، تو بینک اس میں سے ننانوے ہزار روپے اپنے قرض کے طور پر رکھ لے، اور ایک ہزار روپے وکالہ فیس کے طور پر رکھ لے۔

لیکن یہ معاملہ درست ہونے کے لئے چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:-

الأول: ان یکون کل واحد من العقدین منفصلاً عن الآخر فلا تشترط الوکالة فی القرض والقرض فی الوکالة۔

الثانی: ان لا تکون اجرة الوکالة مرتبطة بمدّة نضج الکمبیالة بحیث تکون الأجرة زائدة إن کانت المدّة طویلة وتکون اقل إن کانت قصیرة۔

الثالث: أن لا یزاد فی أجرة الوکالة بسبب القرض الذی اقرضه البنك فإنه یکون حینئذ قرضاً جرّ منفعة۔

۱- قرض اور وکالہ کے دونوں عقد بالکل ایک دوسرے سے الگ الگ ہوں، وکالہ عقد قرض کے لئے شرط نہ ہو اور عقد قرض وکالہ کے لئے شرط نہ ہو۔

۲- وکالہ فیس (Maturity) کی مدت کے ساتھ مربوط نہ ہو کہ اگر مدت لمبی ہو تو اجرت زیادہ ہو، اور اگر مدت کم ہو تو اجرت بھی کم ہو۔

۳- قرض کی وجہ سے وکالہ فیس میں اضافہ نہ ہو، ورنہ یہ "کل قرض جر

مالیت کی چیز کی قدر زیادہ ہے، لہٰذا اس کی بناء پر اُجرت میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے وکالت کی اُجرت کو مقدارِ رقم کے ساتھ وابستہ کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، مگر اُجرت کو مدت اور زمانے کے ساتھ مربوط کرنے کا کوئی جواز سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لئے کہ یہ عین وہی شکل ہے کہ بلا سود قرض لے کر قرض کی مدت کے حساب سے وکالت کی اُجرت وصول کر لی گئی یعنی جو سود قرض پر نہیں لیا جا سکا، وہ وکالت کی اُجرت بڑھا کر وصول کر لیا گیا۔[1]

حاصل یہ کہ وکالت فیس کو مذکورہ معاملے میں:-

۱- بل کی رقم کی مقدار کے ساتھ مربوط کرنے کی گنجائش ہے۔

۲- لیکن بل کی پختگی کی مدت کے ساتھ مربوط کرنا جائز نہیں۔

مالیاتی دستاویزات کی تظہیر (Endorsement) کی فقہی تکییف

تظہیر کی دو قسمیں ہیں:-

تظہیر تملیکی، اور تظہیر توکیلی۔

پہلی قسم میں مظہر (Endorser) دستاویز کی قیمت کو مظہر الیہ (Beneficiary) کو منتقل کرتا ہے، اب اگر مظہر مظہر الیہ کا مدیون ہو تو یہ حوالہ ہے، ورنہ اگر بیان ہو تو یہ توکیل بالقبض ہے۔

دوسری قسم میں کانشت تظہیر کے ذریعے ادارے سے دستاویز کی قیمت وصول کرایا جاتا ہے، یہ حوالہ نہیں، بلکہ یہ وکالہ ہے، جو جائز ہے، خواہ اُجرت کے ساتھ ہو، یا بدون اُجرت ہو۔

---

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت ص: ۱۵۱

۴۔ ادائیگی کسی مذکورہ شخص کو یا اس کے حکم پر کسی اور شخص کو یا اس کے حامل کو قابل ادا ہو۔

۵۔ ادائیگی مطالبے پر یا مستقبل کی قابل تعین تاریخ پر۔

۶۔ وعدہ کرنے والے کے دستخط۔

Promissory Note: a financial instrument containing an unconditional undertaking singed by the maker to pay on demand, or at a fixed or determinable time in future, a certain sum of money to the holder or to the bearer of the instrument, or to the order of a designated party.(1)

اس تعریف کا حاصل بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

حکم شرعی

اس نوٹ پر قبضہ اس میں درج رقم پر قبضہ نہیں لہٰذا اس کے ساتھ ان معاملات میں تعامل درست نہیں جن میں قبضہ شرط ہے، مثلاً بیع صرف میں یا بیع سلم میں، ملکی صرف کے اس کو بدل صرف اور سلم میں اس کو راس المال بنانا جائز نہیں۔

اسی طرح اس کو فیس ویلیو سے زیادہ پر فروخت کرنا بھی جائز نہیں وغیرہ۔(2)

بل آف ایکسچینج، چیک اور پرامیسری نوٹ کے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کچھ اہم فروق

چیک اور بل (Bill of Exchange) میں فرق

۱۔ مہدی بل کسی بھی شخص کے نام جاری کیا جا سکتا ہے، جبکہ چیک صرف

(1) Glossary, Banking and Finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi, Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics.

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: [illegible] المعہد الشریعة

متعلقہ بنک کے نام ہی جاری کیا جا سکتا ہے۔

۲- مبادلاتی بل جس کے نام جاری کیا جائے، اس کی طرف سے اس کی قبولیت ضروری ہے، جبکہ چیک میں بنک کی طرف سے قبولیت ضروری نہیں۔

۳- مبادلاتی بل کی ادائیگی مطالبے یا مستقبل کی کسی قابل تعیین تاریخ پر ہوتی ہے، جبکہ چیک کی ادائیگی اس پر لکھی ہوئی تاریخ کے مطابق مطالبے پر ہوتی ہے۔

۴- مبادلاتی بل کراس نہیں کیا جا سکتا ہے، جبکہ چیک کو کراس کیا جا سکتا ہے۔

۵- مبادلاتی بل میں ڈسکاؤنٹ ہو سکتا ہے، جبکہ چیک میں کوئی ڈسکاؤنٹ نہیں کیا جا سکتا۔

۶- مبادلاتی بل میں درج رقم قسطوں میں ادا کی جا سکتی ہے، جبکہ چیک میں درج شدہ رقم کو قسطوں میں ادا نہیں کیا جا سکتا، وغیرہ۔

بل اور پرامیسری نوٹ میں فرق

۱- بل جب قبول کر لیا جاتا ہے، تو اس سے مرتب الیہ کی ذمہ داری قانونی نوعیت کی رہ جاتی ہے، جبکہ پرامیسری نوٹ تیار کرنے والا اوّل مقروض ہوتا ہے، اور وہی اس کو قبول کرنے والے سے خط و کتابت کرتا ہے۔

۲- بل کسی مخصوص رقم کی ادائیگی کا ایک غیر مشروط حکم نامہ ہے، جبکہ نوٹ کسی مخصوص رقم کی ادائیگی کا ایک غیر مشروط وعدہ ہے۔

۳- بل کے لئے قبولیت درکار ہوتی ہے، جبکہ نوٹ کے لئے قبولیت درکار نہیں ہوتی کیونکہ اقرار نامہ رقم ادا کرنے والا خود لکھ کر دیتا ہے۔

۴- غیر ملکی بل کے دو تین سیٹس میں بھی تیار ہوتا ہے، جبکہ اقرار نامہ کسی سیٹ کی صورت میں تیار نہیں ہوتا۔

۵- بل کو تیار کرنے والوں کی ذمہ داری مشترکہ ہوتی ہے، جبکہ اقرار نامہ تیار

کرنے والے مشترکہ طور پر یہ اقرار نامے کے الفاظ کے مطابق مشترکہ یا انفرادی طور پر رقم کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

۶۔ بل کا وسیع پیمانے پر عام لین دین ہوتا ہے، جبکہ اقرار نامے کا محدود طور پر لین دین ہوتا ہے۔

۷۔ بل غیر ملکی بھی ہوسکتا ہے، جبکہ اقرار نامہ صرف ملکی ہی ہوسکتا ہے۔

پرامیسری نوٹ اور چیک میں فرق

۱۔ پرامیسری نوٹ کسی مخصوص رقم کی ادائیگی کے لئے غیر مشروط وعدہ ہوتا ہے، جبکہ چیک بنک کے نام حکم نامہ ہوتا ہے۔

۲۔ نوٹ کے صرف دو فریق ہوتے ہیں، اقرار کرنے والا، اور رقم پانے والا، جبکہ چیک میں تین فریق بھی ہوسکتے ہیں۔

۳۔ نوٹ میں ادائیگی کے لئے کوئی خاص مدت مقرر ہوتی ہے، جبکہ چیک ہمیشہ عند الطلب واجب الادا ہوتا ہے۔

۴۔ نوٹ کا استعمال محدود ہے، جبکہ چیک کا استعمال غیر محدود ہے۔

۵۔ نوٹ کی ادائیگی اسے بنانے والے شخص کو ہی کرنا ہوتی ہے، تاہم اسے بنانے والے اگر مشترکہ کاروبار سے وابستہ ہیں، تو ادائیگی ان کی مشترکہ ذمہ داری ہوتی ہے، جبکہ چیک کی ادائیگی صرف متعلقہ مخصوص بنک اور اس کی مخصوص شاخ سے ہی ہوسکتی ہے۔

کریڈٹ کارڈ (Credit Card)

آج کل تین قسم کے کارڈ رائج ہیں، جن کے نام درج ذیل ہیں:-

۱۔ کریڈٹ کارڈ

۲۔ ڈیبٹ کارڈ

۳۔ چارج کارڈ

تمنح هذه البطاقة تسهيلات ائتمانية متجددة لحاملها حيث يتمكن حاملها من تجاوز سداد ثمن مشترياته خلال الفترة المحددة عند تسلمه الكشوف المرسلة إليه من المؤسسة، إذا تأخر حامل البطاقة في تسديد ما عليه بعد الفترة المسموح بها يترتب عليه فوائد ربوية أما المؤسسات فلا تترتب فوائد ربوية، لا تتقاضى المؤسسة المصدرة للبطاقة أية نسبة من حامل البطاقة على المشتريات والخدمات ولكنها تحصل على نسبة معينة (عمولة) من قابل البطاقة على مبيعاته أو خدماته التي تمت بالبطاقة. تلتزم المؤسسة في حدود سقف الائتمان، وبالزيادة الموافق عليها للجهة القابلة للبطاقة بسداد أثمان السلع والخدمات وهذا الالتزام بتسديد أثمان المبيعات والخدمات شخصي ومباشر بمعزل عن علاقة الجهة القابلة للبطاقة بحامل البطاقة، للمؤسسة المصدرة للبطاقة حق شخصي ومباشر قبل حامل البطاقة في استرداد ما دفعته عنه وحقها في ذلك حق مجرد ومستقل عن العلاقة الناشئة بين حامل البطاقة والجهة القابلة لها بموجب العقد المبرم بينهما.

بطاقة الائتمان المتجدد (Credit Card): هذه البطاقة أداة ائتمان في حدود سقف متجدد على فترات يحددها مصدر البطاقة وهي أداة وفاء أيضا، يستطيع حاملها تسديد أثمان السلع والخدمات والسحب نقدا في حدود

سقف الائتمان الممنوح. في حالة الشراء للسلع أو الحصول على الخدمات يمنح حاملها فترة سماح يسدد خلالها المستحق عليه بدون فوائد. كما تسمح له تأجيل السداد خلال فترة محددة مع ترتب فوائد عليه، أما في حالة السحب النقدي فلا يمنح حاملها فترة سماح، ينطبق على هذه البطاقة ما جاء في البند ٢٠٣ هـ و ز.

الحكم الشرعي لأنواع البطاقات بطاقة الحسم الفوري:
يجوز للمؤسسات إصدار بطاقة الحسم الفوري ما دام حاملها يسحب من رصيده ولا يترتب على التعامل بها فائدة ربوية. بطاقة الائتمان والحسم الآجل. يجوز إصدارها بالشروط الآتية

ألا يشترط على حامل البطاقة فوائد ربوية في حال تأخره عن سداد المبالغ المستحقة عليه.

في حالة إلزام المؤسسة حامل البطاقة بإيداع مبلغ نقدي ضمان لا يمكن لحامل البطاقة التصرف فيه يجب النص على أنها تستثمره لصالحه على وجه المضاربة مع اقتسام الربح بينه وبين المؤسسة بحسب النسبة المحددة.

أن لا يشترط المؤسسة على حامل البطاقة عدم التعامل بها فيما حرمته الشريعة وأنه يحق للمؤسسة سحب البطاقة في تلك الحالة.

بطاقة الائتمان المتجدد. لا يجوز للمؤسسات إصدار بطاقات الائتمان ذات الدين المتجدد الذي يسدده

حمل البطاقة على أقساط آجلة بفوائد ربوية۔(۱)

بینک ڈرافٹ (Bank Draft)

A bill of exchange payable on demand, usually drawn by one bank on another or by on branch on another, a popular means of transfer of funds.

یہ ایک بل ہے جو طلب کرنے پر واجب الادا ہوتا ہے، جو عام طور پر ایک بینک سے دوسرے بینک کو یا ایک شاخ سے دوسری شاخ کو واجب الادا ہوتی ہے، یہ رقم منتقل کرنے کا ایک مقبول عام طریقہ ہے۔(۲)

آگے اس بینک ڈرافٹ کی یوں تعریف کرتے ہیں:-

A bank draft is a cheque drawn by one bank upon another bank or its own branch situated at a different place, requiring it to pay a certain sum of money to a specified person or to his order to the bearer. A bank draft may be inland or foreign. Usually persons who have to make payment to distant creditors go to their bank to obtain a bank draft. They have to deposit with the bankers the amount to be remitted a small commissions. Draft is then issued which is sent to the creditor concerned who gets it encashed

اس تعریف کا حاصل بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا، البتہ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ بینک ڈرافٹ اندرون ملک بھی ہو سکتا ہے اور بیرون ملک بھی ہو سکتا ہے۔ اور

---

(۱) المعايير الشرعية، هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الإسلامية ص ۳۳۳ هـ

نوٹ: اصل عربی کتاب کی بجائے اس کے Sharia Standards کا حوالہ دیا گیا ہے

جو کہ صحیح ہے۔

(2) Glossary, Banking and finance, English English Urdu Sindhi Banking Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers

اس پر کمیشن بھی وصول کیا جاتا ہے۔[1]

پے آرڈر (Pay Order)

It is a cheque like instruments issued by bank on the request of its customers or in payment of its own expenses or dues, drawn on itself, to pay a specified sum of money to the order of specified person. Payment orders are usually issued by the banks on receipt of full amounts involved, which means that it would not be returned unpaid due to lack of funds, it is also called Bankers Cheques or Cashiers Cheques.

یہ چیک کی طرح کا سند ہے جو بینک سے اس کے گاہکوں کی درخواست پر یا اس کے اپنے اخراجات یا بقایہ جات کے لئے خود اس پر جاری کئے جاتے ہیں تاکہ ایک معین رقم مذکورہ شخص کو ادا کی جائے، اور بینک کے ادائیگی عام طور پر بینکوں کی جانب سے پوری متعلقہ رقم وصول ہوجانے کے بعد ہی جاری کئے جاتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ فنڈ کی کمی کے عذر پر بغیر ادا کئے واپس نہ کر دیئے جائیں، انہیں بینکاروں کے چیک یا خزانچی چیک بھی کہا جاتا ہے۔[2]

بینک ڈرافٹ اور پے آرڈر میں شرعی نقطۂ نظر سے کوئی خاص پیچیدگی نہیں، البتہ بینک ان دونوں پر جو خدمت وصول کرتا ہے، جو شرعاً جائز ہے۔

بانڈ (Bond)

Bond is an interest bearing government or corporate security, obligating the bond issuer under an agreement called bond indenture to pay

(1) Introduction to Economic Principles, Dr. N.K. Agarwal, p. 352

(2) Glossary, Banking and Finance, English-Urdu, Shakil Faruqi, Second Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics.

the bond holder a principal amount on the date of maturity and periodic payment of interest over the life of the bond, bonds are long term debt instrument and are a preferred mode of raising long term funds without selling shares, bon enables the bond issuer to convert non liquid or less liquid assets into marketable instruments, the market value, or the price of the bond in the market differs from the face value or the par value of the bond at the maturity by a discount factor based primarily on the current interest rate and the bond rating generally, if interest rate rises bond price fall and vice versa.

بانڈ: یہ حکومت یا کسی مشترکہ کمپنی کا ایک سودی تمسک ہے، جو بانڈ کے اجراء کرنے والے کو اس معاہدے کے تحت، جسے بانڈ کا اقرار نامہ کہا جاتا ہے، پابند کرتا ہے کہ وہ حامل بانڈ کو پختگی کی تاریخ پر اس کی اصل رقم واپس کرے، اور بانڈ کی زندگی تک عرصہ وار سود کی ادائیگی کرے۔ بانڈ قرض حاصل کرنے کا طویل مدتی آلہ ہے، اور حصص کو فروخت کیے بغیر طویل مدتی فنڈ حاصل کرنے کا ایک ترجیحی طریقہ ہے، یہ غیر سیال یا کم سیال اثاثوں کو قابل فروخت آلات میں تبدیل کرنے کا ایک ذریعہ بھی ہے، بازاری مالیت یا بازار میں قیمت میچورٹی کے وقت اس کی قیمت وغیرہ سے مختلف ہوتی ہے، اس کی وجہ وہ عنصر ہے جو خاص طور پر موجودہ شرح سود اور بانڈ کی درجہ بندی پر مبنی ہوتا ہے، عام طور پر اگر سود بڑھ جائے تو بانڈ کی قیمتیں گرنے لگتی ہیں، یا دوسری صورت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ (1)

(1) Glossary, Banking and Finance English-English-Urdu, Sheikh Faruq Siddiqui, Editor, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بانڈ کی تعریف اور حقیقت یوں بیان فرماتے ہیں:-

السند (Bond) فی الإصطلاح المعاصر وثيقة يصدرها المدیون لمقرضه إعترافًا منه بأنه استقرض من حاملها مبلغًا معلومًا يلتزم بأدائه فی وقت معلوم وإن هذه السندات تصدرها عادة لعرضها علی الجمهور ليحصلوا عليها بأداء المبلغ المكتوب علیٰ وجهها حتٰی يصيروا مقرضين ذلك المبلغ لمصدر السند وإن هذه السندات ربما تصدرها الشركات المساهمة التجارية أو الصناعية حينما تحتاج إلی اقتراض مبالغ كبيرة من المال لإنجاز مشاريعها ولا تجد أفرادًا أو مؤسسات تقرضها الأموال بالحجم المطلوب، فتعرض هذه السندات علی الجمهور وربما تصدر هذه السندات من قبل الحكومات التی تريد أن تمول عجز ميزانيتها فتقترض من الجمهور وإن هذه السندات سواء أصدرتها الشركات أو أصدرتها الحكومة إنما تلتزم بأداء فوائد ربوية إلیٰ مَن يحملها فالسند الذی قيمته الإسمية مائة روبية مثلًا تستحق أن يدفع لحاملها مائة وخمس عشرة بعد سنة، ويحق له أن يبيع هذا السند فی السوق وإنها تباع وتشتری بثمن يتراضی عليه الفريقان فمن حصل علیٰ هذا السند بمائة فإنه يبيعه إلیٰ آخر بمائة وخمسة ويشتريه ذلك الآخر بهذا الثمن لأنه يرجو أن يحصل علیٰ مائة وخمس عشرة روبية فی نهاية المدة۔

وهناك سندات أخرى تصدر من قبل الحكومة وتعرض علاوة على البنوك والمؤسسات المالية الأخرى، وتسمى سندات الخزينة ومقصود هذه السندات نفس المقصد الذي من اجله تصدر السندات الحكومية الأخرى، غير ان هذه السندات تعرض على البنوك لتشتريها على اساس المزايدة، فالسند الذي قيمته الف روبية مثلاً يتضمن التزام الحكومة بأداء الف روبية إلى حامله عند حلول اجله فتجري في شرائه المزايدة فيما بين البنوك وتأتي العروض من قبلها الى البنك المركزي فتباع هذه السندات إلى من عرضه أكثر، ومعنى بيع هذه السندات ان مشتريها اقرض مبلغ الثمن إلى الحكومة والمستحق من خلال هذا الإقراض أن يحصل على قيمة السند الإسمية عند حلول الأجل۔[1]

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ:-

۱- بانڈ آج کل کی اصطلاح میں اس سند کو کہتے ہیں، جس کو مقروض جاری کرتا ہے اس اعتراف میں کہ اس نے اس کے حامل سے متعین رقم بطور قرض لی ہے۔

۲- یہ بانڈز عام طور پر عوام پر پیش کئے جاتے ہیں، تاکہ عوام ان کو خریدیں اس قیمت پر جو ان پر لکھی ہوئی ہے، تو گویا کہ انہوں نے یہ قیمت جاری کنندہ کو قرض کے طور پر دی۔

۳- یہ بانڈز بسا اوقات کمپنیوں کی طرف سے جاری ہوتے ہیں، جن کو بڑی

---

(۱) بحوث في قضايا فقهية معاصرة، العثماني، (محمد تقي العثماني) كراتشي، مكتبه دار العلوم كراتشي، طبع جديد ۱۴۲۶ هـ۔

رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔

۴- بعض اوقات حکومت بھی ان بانڈز کو اپنے بجٹ کے خسارے کو پورا کرنے کے لئے جاری کرتی ہیں۔

۵- بانڈز خواہ کمپنی جاری کرے یا حکومت جاری کرے، ان پر حاملین کو سود دیا جاتا ہے

۶- بانڈز قابل تبادلہ ہے۔ مارکیٹ میں ان کی خرید و فروخت ہوتی ہے کمی بیشی کے ساتھ۔

۷- حکومت ایک خاص قسم کے بانڈز بھی جاری کرتی ہے، جن کو سندات الخزانہ کہتے ہیں (Treasury Bills) یہ بانڈز مختصر اور کم مالیتی ادوار پر جاری کئے جاتے ہیں، ان کا مقصد بھی وہی ہوتا ہے جو عام بانڈز کا ہوتا ہے، البتہ یہ بینکوں پر پیش کئے جاتے ہیں اور پھر بینک آپس میں ان کا لین دین کرتے ہیں۔

کمپنیوں کے بانڈز

بانڈ کی تعریف اور حقیقت میں یہ بات بھی مذکور ہوئی ہے کہ بانڈز کو بعض اوقات کمپنیاں جاری کرتی ہیں جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کمپنی کے پاس سرمایہ ختم ہوتا ہے، تو ان کو منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی ہے، اور ویسے کوئی ان کو قرض یا رقم دیتا نہیں، تو وہ یہ بانڈز جاری کر کے ان کے ذریعے عوام سے قرض وصول کرتی ہیں۔

کمپنیاں جو بانڈز جاری کرتی ہیں، ان کی بہت ساری قسمیں ہیں، یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ تفصیل کے لئے درج ذیل کتابیں ملاحظہ ہوں:

المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الإسلامي: ڈاکٹر محمد عثمان شبیر

احکام الأسواق المالية: الدکتور صبری ہارون

گلوسری: اسٹیٹ بینک آف پاکستان

قابل تحویل بانڈز (Bonds Convertible into Shares)

بانڈز کی دو قسمیں ہیں:-

۱ غیر قابل تحویل بانڈز (Non.Convertible into Shares) اور

۲ قابل تحویل بانڈز۔

اصل یہ ہے کہ بانڈز قابل تحویل نہ ہوں، لیکن بعض اوقات بانڈز قابل تحویل بھی ہوتے ہیں، جن کے بارے میں باقاعدہ جاری کرنے کے عقد میں تصریح کی جاتی ہے کہ ان کے حامل کو یہ حق حاصل ہے کہ ایک مدت کے اندر اندر وہ ان بانڈز کو عام حصص یا حصص ممتاز میں تبدیل کرے، اسی طرح یہ بانڈز دوسری مالی دستاویزات میں بھی تبدیل ہو سکتے ہیں۔

قابل تحویل بانڈز کے بارے میں گلوسری اسٹیٹ بینک آف پاکستان میں بہت اچھی بحث ہے، جو درج ذیل ہے:-

A bond that can be converted into a common stock at a conversion ratio specified at the time of bond issue, it has all the factors of a regular bond, namely the par value, the coupon rate, maturity period the interest payment period, but additionally, the bond issuer pays dividend and offers the option to the investor to convert the bond into a number of common stocks as per conversion ratio of the conversion price of the stock, as a result the market price of the bond is affected both by the interest rate movements as well stock market movements, the cost of conversion option is usually gauged by the premium paid for the bond in the secondary market trading, convertible bonds proved a potential gain to the investor if the bond price goes up, while at the same time offer an attractive bond yield, specially for corporate bond whose price is likely to materially increase over the maturity period, the market value of the option attached to

convertible bond is zero or insignificant at the time bond stars selling initially in the secondary market. but the value of the option increases as the bond price clibs up. it is also possible that bond price bay fall instead of rising with disastrous consequences for the option holder, therefore convertible bond can also be risky in addition to being potentially rewarding.

یہ وہ بانڈز ہیں جنہیں عام حصص میں تبدیل کیا جا سکے۔ اور تبدیلی کے اس تناسب سے جس کی صراحت بانڈ کے اجراء کے وقت کی گئی ہو، اس میں وہ تمام فیچرز ہوتے ہیں، جو کسی باضابطہ بانڈز میں ملتے ہیں، جیسے مساوی مالیت، کوپن شرح، پختگی، عرصہ وار اور سودی ادائیگی، لیکن اس کے علاوہ وہ بانڈ کا جاری کنندہ یہ حق ادا کرتا ہے، وہ سرمایہ کار کو اختیار دیتا ہے کہ وہ بانڈ کو عام حصص کی ایک تعداد میں تبدیلی کے تناسب سے یا تبدیلی کی قیمت پر بدل سکتے ہیں، اس وجہ سے قابل تحویل بانڈ کی بازاری قیمت شرح سود کے علاوہ اسٹاک مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ سے بھی متاثر ہوتی ہے، تبدیلی کے اس اختیار کی لاگت کا اندازہ اس پریمیم سے کیا جا سکتا ہے جو کہ بانڈ کی ثانوی بازار میں قیمت پر دینا پڑے۔ قابل تحویل میں کے سرمایہ کار کو ایک اضافی نفع پہنچاتے ہیں، اگر اس کے اسٹاک مارکیٹ کی قیمت بانڈ کی پختگی تک اضافہ ہوا، اور ساتھ ہی ساتھ ایک پرکشش بانڈ کا نفع بھی خاص طور پر ان کاروباری اشخاص کے حصص میں جن کے اسٹاک مارکیٹ کی قیمت میں خاطر خواہ اضافے کا امکان ہو۔ کسی قابل تحویل بانڈ سے منسلک اس آپشن کی بازاری قیمت یا تو صفر ہوتی ہے، یا بہت ہی کم، اس کی ثانوی بازار میں تجارت شروع ہوتے وقت آپشن کی مالیت

میں اس کی اسٹاک مارکیٹ کی قیمت بڑھنے پر اضافہ ہونا شروع ہو جاتے ہیں، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اسٹاک مارکیٹ کی قیمت کے بجائے اضافے کے کمی ہو، جس کے بانڈ کی مالیت پر منفی اثرات بھی ہو سکتے ہیں، اس لئے قابل تحویل بانڈ احتمالی طور پر پُرخطر بھی ہو سکتا ہے، نفع بخش بھی ہو سکتا ہے۔(1)

سرکاری بانڈز

بانڈ کی تعریف اور حقیقت میں یہ بات ابھی مذکور ہوئی ہے کہ بانڈز کو بعض اوقات حکومت جاری کرتی ہے، جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حکومت کے پاس سیال اثاثہ کم ہوتا ہے، تو اس کو بجٹ کے خسارے کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی ہے، اور ویسے کوئی ان کو قرض یا رقم دیتا نہیں، تو وہ یہ بانڈز جاری کر کے ان کے ذریعے عوام سے قرض وصول کرتی ہے۔

سرکاری بانڈز بھی تقریباً کمپنیوں یا سادہ بانڈز کی طرح ہوتے ہیں، اور ان کے وہی فیچر ہوتے ہیں، جو عام بانڈز کے ہوتے ہیں، البتہ یہ کہ سرکاری بانڈز دوسرے بانڈز کے مقابلے میں زیادہ قابل اعتماد ہوتے ہیں، اور ان میں رسک نسبتاً کم ہوتا ہے۔

سرکاری بانڈز کی نمایاں قسمیں

سرکاری بانڈز کی نمایاں قسمیں درج ذیل ہیں:۔

۱۔ سندات خزینہ (Treasury Bills)

۲۔ شہادات الخزانہ (Treasary Certificates)

۳۔ سندات البلدیہ (Minicipal Bonds)

(1) Glossary, Banking and finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi, Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics

مع دفع فائدة متفق عليها منسوبة إلى القيمة الإسمية للسند أو ترتيب نفع مشروط سواء كان جوائز توزع بالقرعة أم مبلغًا مقطوعًا أم خصمًا قرر:-

۱- ان السندات التي تمثل التزاما بدفع مبلغها مع فائدة منسوبة إليه أو نفع مشروط محرمة شرعًا من حيث الإصدار والشراء والتداول لأنها قروض ربوية سواء كانت الجهة المصدرة لها خاصة أو عامة ترتبط بالدولة ولا اثر تسميتها شهادات أو صكوكا استثمارية أو ادخارية او تسمية الفائدة الربوية الملتزم بها ربحا او ريعا او عمولة او عائدا۔

۲- كما تحرم ايضًا السندات ذات الجوائز باعتبارها قروضًا اشترط فيها نفع او زيادة بالنسبة لمجموع المقرضين او لبعضهم لا على التعيين فضلًا عن شبهة القمار۔

مجمع الفقه الإسلامي جدة (اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ) کی اس قرارداد کا حاصل یہ ہے کہ بانڈز خواہ کسی بھی قسم کے ہوں، وہ چونکہ سودی قرضوں کی نمائندگی کرتے ہیں، اس لئے ان کے ساتھ لین دین کرنا، یا ان پر انعام حاصل کرنا بالکل حرام ہے، نیز ان میں بعض صورتوں میں شبہ قمار بھی ہے۔[1]

ذهب غالبية العلماء المعاصرين إلى عدم جواز تعامل بالسندات وشهادات الإستثمار دون تفريق بين انواعها

(۱) مجلة مجمع الفقه الإسلامي الدورة السادسة، العدد السادس، الجزء الثاني ص ۱۲۷۵ قرار رقم ۶۲/ ۱۱/۶۔

کی بنیاد پر حاصل کرتی ہے۔ یہ صکوک آج کے لین دین میں کافی
متداول ہیں، یعنی قابل خرید و فروخت ہیں، اور قابل تجزی بھی ہیں۔
بعض اوقات کمپنیاں مجبور ہو جاتی ہیں کہ یہ صکوک جاری کریں،
کیونکہ اپنے منصوبوں کی تکمیل کی انجام دہی کے سلسلے میں ان کو نقد کی
ضرورت ہوتی ہے، حصص سے جو نقد حاصل ہوتا ہے، وہ نا کافی ہوتا
ہے، یا بعض اوقات مالی بحران سے یہ کمپنیاں دوچار ہو جاتی ہیں، اور
یہ نہیں چاہتیں کہ مزید حصص کی پیشکش کریں، کیونکہ اس سے شیئر
ہولڈرز کے حصص کم ہو جائیں گے تو وہ یہ طریقہ اختیار کرتی ہیں۔
دوسری طرف اکثر لوگوں کے پاس بچتیں ہوتی ہیں، یہ بچتیں یا ان کے
گھروں میں رکھی ہوئی ہوتی ہیں، یا پھر کرنٹ اکاؤنٹ میں ہوتی
ہیں، لہٰذا ان سے ان کو کچھ نفع نہیں ملتا، البتہ نفع کی صورت یہ ہے کہ
وہ یہ بچتیں تاجروں کو یا صنعت کاروں کو دے دیں، اس طریقے سے
ان کو بھی نفع حاصل ہو جائے گا، اور تاجروں اور صنعت کاروں کو بھی
فائدہ ہوگا، یہیں سے ان سرٹیفکیٹس کا تصور رائج ہو گیا۔

اس کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ سرٹیفکیٹس بھی بانڈز کی طرح سودی صکوک ہیں، اور
ان کے ذریعے عام لوگوں سے سودی قرضہ وصول کیا جاتا ہے، جس میں کمپنیوں کا بھی فائدہ
ہے کہ ان کو ان کے ذریعے سودی قرضہ مل جاتا ہے، اور لوگوں کا بھی فائدہ ہے کہ ان کو اپنی
بچتوں پر کچھ نفع مل جاتا ہے۔

اسی لئے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ان صکوک کے حکم کے اور ان کے شرعی
متبادل کے بارے میں فرماتے ہیں:-

ولكن هذه الطريقة مبنية على أساس القرض الربوي
الذي لا تبيحه الشريعة الإسلامية في حال من الأحوال

عوام سے قرض لینے کے لئے جاری کرتی ہے، جب حکومت کے ذرائع آمدنی (ٹیکس وغیرہ) بجٹ کے لئے ناکافی ہوں، تو حکومت یہ مالیاتی دستاویز عوام سے قرض لینے کے لئے جاری کرتی ہے، مثلاً:

۱- انعامی بانڈز:- جس میں ہر بانڈ پر تو نفع نہیں ملتا، تمام بانڈز سے حاصل ہونے والی رقوم پر مجموعی طور پر نفع ہوتا ہے، جو قرعہ اندازی سے تقسیم ہوتا ہے۔

۲- ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹس

۳- خاص ڈپازٹ سرٹیفکیٹس

۴- فارن ایکسچینج بیئرر سرٹیفکیٹس:- پہلے عوام کو اپنے پاس فارن ایکسچینج (بیرونی کرنسی) رکھنے کی اجازت نہیں تھی، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ جب کسی کو فارن ایکسچینج کی ضرورت پیش آتی تو اس میں بہت سی قانونی مشکلات ہوتی تھیں، اس صورت حال کا ایک نقصان یہ تھا کہ لوگ غیر قانونی ذرائع سے فارن ایکسچینج حاصل کرتے اور اپنے پاس رکھتے، دوسرا نقصان یہ تھا کہ لوگ باہر سے فارن ایکسچینج مثلاً ڈالر لاتے تو حکومت کو نہیں دیتے تھے، جبکہ حکومت کو اس کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا اس کو قانونی شکل دے کر لوگوں سے فارن ایکسچینج بطور قرض لینے کے لئے جو دستاویز حکومت نے جاری کی، اس کو فارن ایکسچینج بیئرر سرٹیفکیٹس (F.E.B.C) کہتے ہیں، اس کی شکل یہ ہے کہ حکومت ڈالر اس وقت کی قیمت کے مطابق پاکستانی روپے کا سرٹیفکیٹس جاری کر دیتی ہے، مثلاً اس ڈالر کی قیمت ۲۵ روپے ہے اور باہر سے آنے والا سو ڈالر لے کر آیا، تو حکومت اس سے سو ڈالر لے کر اس کو دو ہزار پانچ سو پاکستانی روپے کا سرٹیفکیٹ جاری کرے

يكون عائدها متغيرا مثل الأسهم العادية[۱]

Government Securities, which are usually bonds that pay a fixed amount of interest each year gave unlike most commercial securities a guaranteed safety factor concerning their ultimate repayment. These securities are traded in the Market, and their prices fluctuate in value, depending on trends and condition of the economy[2]

شیئرز سرٹیفکیٹ

الصك الذي يعطي للمساهم اثباتا لحقه۔

وہ رسید جو شیئرز ہولڈر کو دی جاتی ہے، جو اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ کمپنی میں اس کا حق اور حصہ ہے۔

الصك والوثيقة المثبتة الذي يعطي للساهم اثباتا لحقه لأن السهم يعطي للمساهم حقوق تجاه الشركة كما يترتب عليه التزامات نحوها۔

وہ رسید ہوتی ہے جو شیئرز ہولڈر کا حق ثابت کرتی ہے، کیونکہ شیئرز شیئرز ہولڈر کو کمپنی میں کچھ حقوق اور کچھ واجبات دیتا ہے۔[۳]

السهم هو الصك الذي تصدره الشركة ويمثل حق المساهم فيها ويتمتع حامله بالحق في الحصول على عائد سنوي نتيجة إستثمار رأس ماله۔[۴]

---

(۱) موسوعة المصطلحات الاقتصادية والإحصائية، هيكل، الدكتور عبد العزيز الفهمي هيكل، بيروت، دار النهضة العربية، ص: ۵۰۳۔

(2) The New Encyclopaedia Britannica, v. 10, p. 585

(۳) المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الإسلامي، (شبير) محمد عثمان شبير، أردن، دار النفائس، طبعة ثالثة ۱۹۹۹ء۔

(۴) مجلة مجمع الفقه الإسلامي، الدورة السادسة، العدد السادس، الجزء الثاني، ص: ۱۲۴۵۔

حاصل یہ کہ وہ سرٹیفکیٹ ہے، جو کمپنی کے اثاثے میں ایک خاص تناسب سے شیئر ہولڈر کے حصے کی نمائندگی کرتا ہے۔

اس کی بھی کئی قسمیں ہیں، جن سے بحث کرنے کا یہ مقام نہیں ہے، نیز شیئر سرٹیفکیٹ کے کچھ شرعی احکام ہیں، جن میں اس کی خرید و فروخت اور زکوۃ وغیرہ کے مسائل شامل ہیں۔(۱)

بونس شیئرز

بونس شیئرز کے بارے میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:-

> Devidend کی تقسیم کے دو طریقے ہوتے ہیں، کبھی تو نقد نفع حصوں کو فراہم کیا جاتا ہے، اور کبھی اس نفع سے دو مزید حصص جاری کر دیئے جاتے ہیں، اس قسم کے حصے کو "بونس شیئرز" (Bonus Share) کہتے ہیں۔
>
> بونس شیئرز جاری کرنے سے کمپنی کا سرمایہ بڑھ جاتا ہے، ایسا عموماً اس وقت ہوتا ہے جبکہ کمپنی کی کیش پوزیشن کمزور ہو، یعنی اس کے پاس نقد رقم کم ہو، تو بجائے نقد نفع دینے کے مزید حصص جاری کر دیئے جاتے ہیں، کسی حصہ دار کو مثلاً دس روپے دینے کے بجائے دس روپے کا حصہ دے دیا جاتا ہے، لیکن اس کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ منظور شدہ سرمائے میں اس کی گنجائش ہو، مثلاً ۸۰ ملین کی اجازت ملی تھی، ان میں سے ۶۰ ملین جاری کئے گئے تھے، ۲۰ ملین کی گنجائش باقی تھی، اگر منظور شدہ سرمائے میں مزید گنجائش نہیں ہے تو دوبارہ درخواست دے کر اجازت لی جائے گی۔

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اسلام اور جدید معیشت و تجارت۔

بونس شیئر جاری کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کمپنی کے شیئرز کی بازاری قیمت (Market Value) قیمت اسمیہ (Face Vlaue) سے کم نہ ہو، اگر بازار میں قیمت گر گئی ہے تو اب بونس شیئر جاری کرنے میں حصہ داران کو نقصان ہے، مثلاً دس روپے کے شیئر کی قیمت بازار میں نو روپے ہے تو حصہ دار کو دس روپے کی بجائے نو روپے کا شیئر ملے گا تو اس کو ایک روپیہ کا نقصان ہوا۔[1]

تعہدات (Warrants)

تعہدات کی تعریف مجمع الفقہ الاسلامی جدہ میں یوں الفاظ میں کی گئی ہے:-

هو الخيار الذي تبيعه الشركة على مستثمرين جدد ويسمى Warrants حيث يكون لهم حق شراء مجموعة من اسهم الشركة عند سعر محدد خلال مدة محدودة وهو قابل للتداول وربما يمتد لسنوات ...... تصدر الشركات انواعا من التعهدات (Warrants) تتضمن الوعد ببيع عدد من أسهم الشركة بسعر محدد خلال فترة محددة أو غير محددة ويستطيع الشركة بهذه الطريقة ان تحقق دخلا بدون ان تخاطر بتغير هيكل ملكيتها الذي قد ينتجه ادخال مساهمين جدد وفي نفس الوقت يستطيع المستثمرون المضاربة على مستقبل الشركة بدون الحاجة إلى مبلغ كبير من المال۔

Warrants اس خیار کو کہتے ہیں کہ جس کو کمپنی نئے سرمایہ کاروں کو بیچتی ہے، اس خیار کی بنیاد پر سرمایہ کاروں کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے

---

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص: ۹۱۔

کہ وہ کمپنی سے شیئرز خریدیں، متعین ریٹ پر متعین مدت کے
درمیان، یہ خیار قابل تداول (قابل تجارت) ہے، یعنی اس کی خرید و
فروخت ہوتی ہے، اور بسا اوقات یہ خیار کئی سالوں تک ممتد ہوتا ہے
...... کمپنیاں مختلف قسم کے تعہدات جاری کرتی ہیں، جن میں یہ وعدہ
ہوتا ہے کہ حامل کچھ متعین شیئرز متعین قیمت پر متعین مدت تک خریدے
گا، اور بعض اوقات مدت کا ذکر نہیں یعنی مدت کی قید نہیں ہوتی۔
تعہدات کے جاری کرنے میں کمپنی کو یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ نئے
شیئرز ہولڈرز کے آنے سے ملکیت کی جانب میں کمی آنے کا خطرہ ہوتا
ہے اس سے کمپنی محفوظ ہو جاتی ہے، کیونکہ سرمایہ کاروں نے ایک
خاص ریٹ پر شیئرز خریدنے کا خیار خریدا ہے، اور دوسری طرف
سرمایہ کاروں کو بھی کسی بڑی رقم کے بغیر شیئرز میں سرمایہ کاری کا موقع
مل جاتا ہے۔[1]

گلوسری اسٹیٹ بنک آف پاکستان میں وارنٹس کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:۔

Warrants are securities issued with preferred stocks or bond or certificates, that give the holder the right to buy a proportionate amount of common stock at specified price, usually higher than market price at the time of issue of warrants, for a specific period of time, or perpetuity. In this sense, warrants are options to the holder of corporate stocks or bonds.

وارنٹ یہ وہ تمسکات ہوتے ہیں، جو ترجیحی اسٹاک یا بانڈ یا سرٹیفکیٹ
کے ہمراہ جاری کئے جاتے ہیں، جو حامل کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ ایک

(۱) مجلة مجمع الفقه الإسلامي، الدورة السادسة، العدد السادس، الجزء الثاني ص ۲۲۵

برعکس بعض اوقات ایک شخص یہ وعدہ کرتا ہے کہ میں تم سے فلاں چیز فلاں تاریخ تک فلاں نرخ پر بیچنے کی ذمہ داری لیتا ہوں، اس تاریخ تک تم جب چاہو، مجھ سے اس نرخ پر یہ چیز خرید لینا، یہ خریداری کا آپشن ہے۔ آپشن کرنسی پر بھی ہوتا ہے اور اجناس پر بھی ہوتا ہے، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپشن دینے والا لینے والے کو اس کرنسی یا جنس کی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ سے مطمئن کرتا ہے اور یہ اطمینان دلانے پر کمیشن لیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے پچیس روپے کا ایک ڈالر خریدا، وہ اس کشمکش میں ہے کہ اگر یہ اپنے پاس رکھوں تو اس کی قیمت گرنے کا احتمال ہے، اگر ابھی آگے فروخت کر دوں، تو ہو سکتا ہے کہ آئندہ اس کی قیمت بڑھ جائے، تو نفع سے محروم رہوں گا۔ اب دوسرا شخص اس کو اطمینان دیتا ہے کہ ڈالر تم اپنے پاس رکھو، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تین ماہ تک یہ ڈالر میں پچیس روپے میں خریدوں گا، اور اس وعدے پر اتنی فیس لوں گا۔ اس کی وجہ سے وہ شخص قیمت گرنے سے مطمئن رہے گا، اگر قیمت بڑھ گئی تو کسی اور کو فروخت کر دے گا۔ قیمت گر گئی تو آپشن بیچنے والے کو پچیس روپے میں فروخت کر دے گا۔ آپشن کو مستقل مال تجارت سمجھا جاتا ہے، اور اس کی آگے بھی بیع ہو جاتی ہے۔

یہ کاروبار روز بروز دوسرے ممالک میں بہت وسیع پیمانے پر ہو رہا ہے، اور اس کی صورتیں روز بروز پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتی جا رہی ہیں۔ (۱)

آپشن کی چند مشہور اقسام

آپشن کی مشہور قسمیں تین ہیں:۔

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت ص: ۱۷۰۔

۱ - خیار الطلب (Call Option)

۲ - خیار الدفع (Put Option)

۳ - خیار المرکب (Stradle Option)

۱ - خیار الطلب (Call Option)

خیار الطلب سے مراد کسی چیز کو خریدنے کا حق ہے، جس کی مثال اوپر ڈالر کے ساتھ ہم نے دی۔

۲ - خیار الدفع (Put Option)

خیار الدفع سے مراد کسی چیز کو بیچنے کا حق ہے، یہ پہلے خیار کی ضد ہے، اس میں بیچنے والے شخص کو تو خیار حاصل ہوتا ہے، لیکن خریدار کے لئے لازم ہوتا ہے کہ وہ اسے خریدے، جس کی تفصیل اوپر گزر گئی۔

۳ - خیار المرکب (Stradle Option)

خیار المرکب سے مراد خریدنے اور بیچنے دونوں کا اختیار ہے، بعض مرتبہ لوگ دونوں اختیار لے لیتے ہیں۔

مجمع الفقہ الاسلامی میں ایک چوتھی قسم کا بھی ذکر ہے، جس کو "الخیار الممتد" (Spread Option) کا نام دیا ہے، یہ درحقیقت خیار مرکب ہی ہے، البتہ اس میں خریدنے کا نرخ بیچنے کے نرخ سے زیادہ ہوتا ہے۔

خیارات کی ان اقسام سے متعلق مجمع الفقہ الاسلامی کی عبارت ملاحظہ ہو:-

عقد خیار الطلب (Call Option)

عقد خیار الدفع (Put Option)

عقد الخیار المرکب (Stradle Option)

عقد الخیار الممتد (Spread Option)

الخیار المرکب ویتضمن هذا الخیار حق فی البیع وحق

ضمیمہ ۱: Bai-al-Dain

اس باب کے شروع میں بیع الدین کا مسئلہ ذکر ہوا تھا۔ اس سے متعلق چونکہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی مشہور انگریزی تصنیف "An Introduction to Islamic Finance" میں بھی اس کا خلاصہ ذکر کیا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس خلاصے کو ان ہی کے الفاظ میں یہاں ضمیمہ ۱ کے طور پر ذکر کیا جائے تا کہ انگریزی جاننے والے قارئین اس مفید خلاصے سے مستفید ہوں:-

Here comes the question whether or not Bai al-Dain is allowed in Shariah. Dain means debt and Bai means sale. Bai al-Dain, therefore connotes the sale of debt. If a person has a debt receivable from a person and he wants to sell it at a discount, as normally happens in the bills of exchange, it is termed in Shariah as Bai-al-Dain. The traditional Muslim jurists (fuqaha) are unanimous on the point that Bai al-Dain with discount is not allowed in Shariah. The overwhelming majority of the contemporary Muslims scholars of Malaysia have allowed this kind of sale. They normally refer to the ruling of Shafi'i school wherein it is held that the sale of debt is allowed, but they did not pay attention to the fact that the Shafi'ite jurists have allowed it only in a case where a debt is sold at its par value.
In fact, the prohibition of Bai-al-Dain is a logical consequence of the prohibition of riba, or interest. A debt receivable in monetary terms corresponds to money, and every transaction where money is

exchanged for the same denomination of money, the price must be at par vlaue. Any increase or decrease from one side is tantamount to riba and can never be allowed in shariah.

Some scholars argue hat the permissibility of Bai-al-Dain is restricted to a case where the debt is created through the sale of a commodity and its sale may be taken as the sale of a commodity. The argument, however, is devoid of force, for. once the commodity is sold, its ownership is passed on to the purchaser and it is no longer other than money. Therefore if he sells the debt, it is no more than the sale of money and it cannot be termed by any stretch of imagination as the sale of the commodity.

That is why this view has not been accepted by the overwhelming majority of the contemporary scholars. The Islamic Fiqh Academy of Jeddah, which is the largest representative body of the Sharia scholars and has the representaion of the Muslim countries, including Malaysia, has approved the prohibtion of Bai-al-Dain unanimousiy without a single dissent.(1)

(1) An introduction to Islamic Finance. p:216

ضمیمہ ۲:
شیئرز اور اسٹاک ایکسچینج میں کاروبار سے متعلق اہم تحقیق

شیئرز سے متعلق چونکہ گذشتہ صفحات میں اختصار کے ساتھ بحث کی گئی، یہاں اس کی مناسبت سے شیئرز اور اسٹاک ایکسچینج کے کاروبار سے متعلق ایک اہم فتویٰ ذکر کیا جاتا ہے جو اس سلسلے میں بہت ہی اہم ہے، اور اس پر باقاعدہ ملک کے مفتی حضرات کا اجلاس ہوا ہے، اور اس اجلاس میں منظور ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ

الکریم، وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین، وعلیٰ کل من تبعھم

باحسان الیٰ یوم الدین

آج کل کمپنیوں کے حصص کی بیع وشراء جن طریقوں سے ہوتی ہے، ان کی شرعی حیثیت کے بارے میں بہت سے سوالات پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور پوچھے بھی جاتے ہیں، ان کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے اس طریق کار کی واقفیت ضروری ہے جو اس بیع وشراء میں اختیار کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس وقت گفتگو ان کمپنیوں کے حصص کے بارے میں ہو رہی ہے، جن کا کاروبار شرعاً حلال ہے اور ان کے حصص کی خریداری حضرت حکیم الامت* مولانا تھانوی قدس سرہ کے فتویٰ "القصص المستطر فی حصص الکمپنی" کی رو

کہ جس کمپنی کے حصص بیچے گئے ہیں، اس کمپنی کے ریکارڈ میں سی ڈی سی کے ذریعے ان حصص کی منتقلی خریدار کے نام ہو جاتی ہے۔

فقہی نقطۂ نظر سے یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی چیز خریدے تو اس کے لئے شرعاً ضروری ہے کہ پہلے اس چیز پر قبضہ کرے، پھر اس کے بعد آگے فروخت کرنا جائز ہوتا ہے، قبضے سے پہلے بیع جائز نہیں۔ اب حصص کی خریداری میں صورت حال یہ ہے کہ ڈلیوری، خریداری کے تین دن بعد ہوتی ہے، سوال یہ ہے کہ خریداری اور ڈلیوری کے درمیان جو تین دن کی مدت ہے، کیا خریدار کے لئے جائز ہے کہ اس درمیانی مدت میں وہ اپنے خریدے ہوئے حصص کسی اور شخص کو فروخت کر دے؟

اگر ڈلیوری کو شرعی قبضہ قرار دیا جائے تو ڈلیوری سے پہلے فروخت کرنا بیع قبل القبض قرار پائے گا، اور ناجائز ہوگا، لیکن دوسرا احتمال یہ ہے کہ "ڈلیوری" شرعی قبضے سے عبارت نہیں، بلکہ کمپنی میں حصص کے خریدار کے نام پر اندراج کو "ڈلیوری" کہا جاتا ہے، ورنہ جہاں تک خریدے ہوئے حصص کے جملہ منافع اور نقصانات کا تعلق ہے، وہ خریداری کے متصل بعد خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں، یعنی اگر خریداری اور ڈلیوری کی درمیانی مدت میں کمپنی کو کوئی نقصان ہو جائے تو وہ نقصان خریدار ہی برداشت کرتا ہے، اور اگر کمپنی کو نفع ہو جائے تو اس نفع کا فائدہ بھی خریدار ہی کو پہنچتا ہے۔

یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ حصص کی بیع کا مطلب کمپنی کے حصص مشاع کی بیع ہے، لہٰذا یہ "بیع المشاع" ہے اور مشاع میں حسی قبضہ ممکن نہیں ہوتا۔ دوسری طرف بیع قبل القبض کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ جب تک مشتری مبیع پر قبضہ نہ کرے، یا کم از کم بائع تخلیہ نہ کرے، مبیع بائع ہی کے ضمان میں رہتی ہے، یعنی اگر اس دوران وہ ہلاک ہو جائے تو بیع فسخ ہو جاتی ہے، لہٰذا اگر قبضہ کئے بغیر مشتری نے مبیع کسی اور کو فروخت کر دی، بعد میں بائع اصلی ہی کے قبضے میں ہلاک ہو گئی تو پہلی بیع فسخ ہو جائے گی، تو اس کے نتیجے میں دوسری بیع بھی فسخ ہو جائے گی، لہٰذا اس دوسری بیع میں شروع ہی سے غرر انفساخ پایا جاتا ہے۔

واجمعوا علیٰ أن التخلیة فی البیع الجائز تکون قبضًا، وفی البیع الفاسد روایتان والصحیح انہا قبض .... رجل باع خلًّا فی دنّ فی بیته فخلّی بینه وبین المشتری فختم المشتری علی الدنّ وترکه فی بیت البائع فهلك بعد ذلك فانه یهلك من مال المشتری فی قول محمد، وعلیه الفتویٰ۔

(الفتاوی عالمگیریة ج:۳ ص:۱۶، کتاب البیوع، باب:۲ الفصل:۲)

اب دیکھنا یہ ہے کہ مشاع کی بیع میں قبضہ کیسے متحقق ہوتا ہے؟ اس کے جواب میں بھی فقہائے کرام نے یہی فرمایا ہے کہ مشاع کی بیع میں تسلیم اور قبض کا تحقق تخلیہ ہی سے ہوتا ہے۔ علامہ سرخسی رحمہ اللہ اجارۃ المشاع (جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں) اور بیع المشاع کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

وهذا بخلاف البیع، لأن التسلیم هناك بالتخلیة یتم وذلك فی الجزء الشائع یتم۔

(مبسوط السرخسی ج:۱۵ ص:۱۳۶، کتاب الاجارة)

صاحب ہدایہ رحمہ اللہ نے بھی اس فرق کو اس طرح بیان فرمایا ہے:-

ولأبی حنیفة أنه آجر ما لا یقدر علیٰ تسلیمه فلا یجوز، وهذا لأن تسلیم المشاع وحده لا یتصور، والتخلیة اعتبرت تسلیمًا لوقوعه تمکینًا، وهو الفعل الذی یحصل به التمکن، ولا تمکن فی المشاع، بخلاف البیع لحصول التمکن فیه۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اجارہ میں چونکہ مقصود صرف انتفاع ہوتا ہے، ملک نہیں، اور حصۂ مشاعہ میں تمکین انتفاع نہیں ہو سکتی، اس لئے اس میں تخلیہ متصور نہیں ہے، اس کے برخلاف بیع میں مقصود ملک ہوتی ہے، لہٰذا تخلیہ کے ذریعے اس میں تمکین ہو سکتی ہے، چنانچہ

ہو جاتی ہیں، گویا شیئرز خریدار کے ضمان میں آ جاتے ہیں (اور اس لحاظ سے اگر خریدار انہیں آگے بیچے تو "ربح ما لم یضمن" لازم نہیں آتا) لیکن اسٹاک ایکسچینج کے قواعد و ضوابط کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قبضہ شرعی کا تحقق ڈلیوری سے پہلے نہیں ہوتا، جس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:-

۱- یہ بات فقہ اسلامی میں طے شدہ ہے کہ "قبض کل شیء بحسبہ" یعنی ہر چیز کا قبضہ اس شئی کی نوعیت کے لحاظ سے عرفاً مختلف ہوتا ہے، شیئرز کے بارے میں عرف عام یہی ہے کہ سودے کے وقت محض اسٹاک ایکسچینج کے فوری اندراج کو قبضہ نہیں کہا جاتا، بلکہ کہا جاتا ہے کہ "ڈلیوری" تین دن بعد ہوگی، ڈلیوری کے معنی ہی قبضہ دینے کے ہیں، لہذا عرف نے اسی کو قبضہ قرار دیا ہے۔

۲- اسٹاک ایکسچینج میں "بیع ما لا یملک الانسان" (Short Sale) کا رواج عام ہے، جب ہم نے اسٹاک ایکسچینج کا دورہ کیا، اس وقت ہمیں یہ بتایا گیا کہ حاضر سودوں یعنی فوری سودوں میں شارٹ سیل ممنوع کر دی گئی ہے، لیکن قواعد و ضوابط سے پتہ چلتا ہے اور بعد میں اسٹاک ایکسچینج کے صدر صاحب نے بھی اس کی تصدیق کی کہ جو چیز منع کی گئی ہے وہ بلینک سیل (Blank Sale) ہے، یعنی ایسی بیع جس میں بائع کے پاس نہ تو ملکیت میں شیئرز ہوں، اور نہ اس نے شیئرز کی خریداری کے لئے کسی سے قرض کا معاہدہ کر رکھا ہو، لیکن حاضر سودوں میں شارٹ سیل کی اس شرط کے ساتھ اجازت دے دی گئی ہے کہ بیچنے والا خریدار کو بتا دے کہ وہ شارٹ سیل کر رہا ہے اور یہ کہ اس نے وقت پر شیئرز کی ڈلیوری کے لئے کسی سے قرض لینے کا انتظام کر رکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حاضر سودوں میں شارٹ سیل کا امکان موجود ہے، اور اگر بالفرض قواعد کے لحاظ سے شارٹ سیل منع بھی ہو تو اس بات کی گارنٹی نہیں ہے کہ وہ اس قاعدے کی خلاف ورزی نہیں کر رہا۔

اب ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص شارٹ سیل کر رہا ہے، یعنی شیئرز اس کی ملکیت میں نہیں ہیں، پھر بھی بیچ رہا ہے تو نہ صرف یہ کہ "بیع ما لا یملک" ہونے کی بناء پر بیع شرعاً

پر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سودے کے وقت اس نے خریدار کو تمکین کر دی ہے یا اس کے حق میں تخلیہ کر دیا ہے؟ نیز اس صورت میں اسٹاک ایکسچینج کے قواعد یہ نہیں کہتے کہ جو شیئرز فروخت کئے گئے تھے بائع کو ان کی ڈلیوری دینے پر مجبور کیا جائے، بلکہ خریدار کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ بائع کو ڈلیوری پر مجبور کرنے کے بجائے بازار سے اسی کمپنی کے اسی مقدار میں دوسرے شیئرز خرید لے، اور اس خریداری میں اسے کوئی نقصان ہو تو بائع کو اس کی تلافی پر مجبور کرے، جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی بیع یک طرفہ طور پر فسخ کرے، اور کسی تیسرے شخص سے نئی بیع کرے۔

۴۔ اسٹاک ایکسچینج کے حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ حاضر سودوں کے علاوہ فارورڈ سودوں میں بھی حقوق و التزامات فوراً منتقل ہو جاتے ہیں، صرف کمپنی کے ریکارڈ میں نام کی منتقلی حاضر سودوں کے مقابلے میں زیادہ تاخیر سے ہوتی ہے، حالانکہ فارورڈ سودوں میں شارٹ سیل کا رواج حاضر سودوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ یہ حضرات حقوق و التزامات کی جس منتقلی کا ذکر کر رہے ہیں وہ شرعی مفہوم میں ضمان کی منتقلی نہیں ہے۔ اور اس سارے مجموعے سے جو بات واضح ہو رہی ہے، وہ یہ ہے کہ جس چیز کو اسٹاک ایکسچینج کی اصطلاح میں حاضر سودا کہا جا رہا ہے، اس میں سودے کے وقت شرعی مفہوم میں قبضہ متحقق نہیں ہوتا، اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ سودا ہوتے ہی تمام حقوق و التزامات خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں، وہ اس معنی میں کہتے ہیں کہ اسٹاک ایکسچینج معاملے کو انجام تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے، اور شیئرز کی قیمت بڑھے یا گھٹے، بائع اسی قیمت پر شیئرز کی ڈلیوری کرنے کا، اور خریدار وہی قیمت ادا کرنے کا پابند ہے، اور اگر کوئی فریق اپنی یہ ذمہ داری پوری نہ کرے اور خریدار کی عدم ادائیگی کی صورت میں بائع کو بازار میں شیئرز فروخت کرنے (Sale Out) میں اور بائع کے قبضہ نہ دینے کی صورت میں خریدار کو بازار سے شیئرز خریدنے میں جو نقصان ہو، دوسرا فریق اس کی تلافی کا ذمہ دار ہے۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں شرعی حکم یہ ہے کہ شیئرز کے خریدار کے لئے اس

وقت تک شیئرز کو آگے بیچنا جائز نہیں ہے جب تک کہ ڈلیوری نہ مل جائے۔ اگر بیچنے والے نے شارٹ سیل کی ہے یعنی شیئرز ملک میں لائے بغیر فروخت کئے ہیں تو یہ بیع ہی باطل ہے، اور اگر شیئرز بائع کی ملک میں تھے، اور عقدِ بیع کے ارکان متحقق ہو گئے ہیں تو یہ بیع درست ہے (اسے بیع الکالی بالکالی اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ کمپنی کے شیئرز بائع کی ملکیت میں ہیں اور یعین ہیں دین نہیں) لیکن خریدار کے لئے آگے بیع کرنا اسی وقت جائز ہوگا جب اسے باقاعدہ ڈلیوری مل جائے، لہٰذا اس وقت جس طرح ڈے ٹریڈنگ ہو رہی ہے (جس میں ڈیلیوری سے پہلے شیئرز آگے بیچ دیئے جاتے ہیں) وہ شرعاً جائز نہیں ہے۔

مستقبل کے سودے (Futures)

مذکورہ بالا تفصیل حاضر سودوں کے بارے میں تھی، جنہیں "Spot Sales" یا "Ready Contracts" کہا جاتا ہے۔ جب حاضر سودوں میں صورتِ حال یہ ہے تو مستقبل کے سودوں میں جنہیں Futures یا Forward کہا جاتا ہے، بطریقِ اولیٰ یہ حکم ہوگا کہ ڈلیوری کے بغیر شیئرز کو آگے بیچنا جائز نہیں، اس لئے کہ ان سودوں میں شارٹ سیل کا رواج حاضر سودوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے، اور شارٹ سیل پر جو پابندیاں حاضر سودوں میں ہوتی ہیں، مستقبل کے سودوں میں اتنی پابندیاں نہیں ہیں۔

اسٹاک ایکسچینج کے دورے کے دوران ہمیں یہ بھی بتایا گیا کہ حاضر سودوں اور مستقبل کے سودوں میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہے کہ حاضر سودوں میں ڈلیوری جلدی ہو جاتی ہے، اور مستقبل کے سودوں میں دیر سے ہوتی ہے، لیکن خریدے ہوئے شیئرز کے حقوق و التزامات فوراً منتقل ہو جاتے ہیں، لیکن ان حضرات کا یہ بیان اس بات کی دلیل ہے کہ حقوق و التزامات کی منتقلی کا لفظ وہ شرعی مفہوم میں استعمال نہیں کر رہے، بلکہ اس معنی میں استعمال کر رہے ہیں کہ شیئرز کی قیمت ڈلیوری سے پہلے بڑھے یا گھٹے، ہر صورت میں بائع طے شدہ قیمت پر ڈلیوری دینے اور خریدار طے شدہ قیمت ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔

اس صورت حال کے پیشِ نظر مستقبل کے سودوں (Forward Sale) یا Future Sale کا حکم یہ ہے:

۱- اگر بیچنے والے کی ملکیت میں حصص نہیں ہیں اور وہ شارٹ سیل یعنی حصص کے بغیر بیچ رہا ہے تو یہ بیع مال غیر مملوک ہونے کی وجہ سے ناجائز اور باطل ہے۔

۲- اگر بیچنے والے کی ملکیت میں حصص ہیں اور وہ ان کی ڈلیوری لے چکا ہے اور آئندہ تاریخ کے لئے ایجاب و قبول کے ذریعے بیع کی تکمیل کی جا رہی ہے (Forward Sale) کیا جا رہا ہے یعنی بیع آج ہی مکمل ہوئی ہے لیکن وہ بیع آئندہ تاریخ کے لئے ہے تو یہ بیع مضاف الی المستقبل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

۳- اگر بیچنے والے کی ملکیت اور قبضے میں حصص ہیں (یعنی وہ ان کی ڈلیوری لے چکا ہے) اور بیع آئندہ تاریخ کے لئے نہیں، بلکہ آج ہی کی تاریخ سے ہوئی ہے، البتہ قیمت ادھار رکھی گئی ہے کہ خریدار قیمت آئندہ کسی تاریخ پر ادا کرے گا، تو اس صورت میں حصص کی ڈلیوری خریدار کو دینی ہوگی، اور قیمت کی وصولی کے لئے ڈلیوری دیئے بغیر حصص اپنے قبضے میں رکھنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ بیع مؤجل ہے، اور بیع مؤجل میں حبس المبیع لاستیفاء الثمن جائز نہیں ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:-

قال اصحابنا رحمهم الله تعالى للبائع حق حبس المبيع لاستيفاء الثمن اذا كان حالاً كذا في المحيط، وان كان مؤجلاً فليس للبائع ان يحبس المبيع قبل حلول الاجل ولا بعده، كذا في المبسوط۔

(فتاویٰ عالمگیریہ ج ۳ ص ۱۵ باب ۴ من کتاب البیوع)

۴- اگر بیچنے والے کی ملکیت اور قبضے میں حصص ہیں اور وہ آج ہی کی تاریخ کے لئے فروخت کر رہا ہے اور ان کی ڈلیوری بھی خریدار کو دے رہا ہے لیکن قیمت آئندہ تاریخ

مشروط مانتے ہیں، چنانچہ فتاوی قاضی خان میں ہے:۔

لأن المواعدة قد تكون لازمة فتجعل لازمة لحاجة

الناس۔ (الفتاوی الخانیة ج ۲ ص ۱۶۵)

مذکورہ صورت میں کوئی ایسی حاجت نظر نہیں آتی جس کی وجہ سے کوئی حرج عام لازم آئے، بلکہ اسٹاک ایکسچینج میں سٹہ بازی کے رجحان کو روکنے کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "وعدہ" غیر ملزم ہی رہے، لہٰذا اگر دونوں فریق وعدہ غیر ملزم (Non-Binding Promise) کریں تو یہ جائز ہے، اس صورت میں اگر کوئی فریق وعدے کو پورا نہ کرے تو وہ دیانۃً تو گناہگار ہوگا، لیکن قضاءً اسے مجبور نہ کیا جا سکے گا۔

بدلہ کے معاملات

اسٹاک ایکسچینج میں بدلہ کے معاملات اس طرح ہوتے ہیں کہ بعض اوقات ایک شخص بہت سے حصص خرید لیتا ہے، مگر قیمت ادا کرنے کے لئے اس کے پاس رقم نہیں ہوتی، اس صورت میں وہ خریدے ہوئے حصص کسی تیسرے شخص کو اس شرط کے ساتھ بیچ دیتا ہے کہ وہ ایک طے شدہ مدت کے بعد خریدار سے وہی حصص زیادہ قیمت پر خرید لے گا، مثلاً الف نے ب سے یکم اپریل کو ایک لاکھ روپے کے دس ہزار حصص خریدے، لیکن اس کے پاس ایک لاکھ روپے نہیں ہیں، لہٰذا وہ یہ دس ہزار حصص ج کو اس شرط کے ساتھ بیچتا ہے کہ ۱۳ اپریل کو وہ یہی حصص ایک لاکھ دو ہزار روپے میں واپس خرید لے گا۔

اس طریق کار میں شرعی اعتبار سے دو خرابیاں ہیں، ایک یہ کہ عموماً بدلے کا یہ معاملہ ڈیلیوری سے پہلے کیا جاتا ہے، جس کے بارے میں پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ بیع قبل القبض ہونے کی بناء پر ناجائز ہے۔ دوسرے ج کو جو شیئرز بیچے جا رہے ہیں وہ زیادہ قیمت پر واپس خریدنے کی شرط کے ساتھ بیچے جا رہے ہیں، یہ شرط فاسد ہے، جو بیع کو فاسد کر دیتی ہے، اور درحقیقت اس کا مقصد ایک لاکھ روپے لے کر ایک لاکھ دو ہزار روپے

واجب کرنا ہے جو سود کی ایک شکل ہے، جس کے لئے اس نئی قاعدہ کو بنیاد بنایا گیا ہے، اس لئے بدلے کے یہ معاملات بھی شرعاً ناجائز ہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۳ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۸ اپریل ۲۰۰۱ء

اختتامیہ

الحمد للہ تعالیٰ شانہ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق سے "زر" (Money) کے مختلف پہلوؤں سے متعلق جو مقصود اس مقالے میں بحث کی گئی۔ زمانے کی ترقی اور معاشی دور کے وسیع ہونے کی وجہ سے "زر" کا مفہوم بھی بہت وسیع ہو گیا۔ پچھلے زمانے میں زیادہ تر زر کا اطلاق صرف سونے یا چاندی پر، درہم و دینار پر ہوتا تھا، اور اس کے ساتھ فلوس بھی زر کی کیٹیگری میں شمار ہوتے تھے، لیکن تجارتی اور معاشی ترقی نے زر کی نئی شکلیں متعارف (Introduced) کرائیں، جن میں زر کی بہت سی مختلف قسمیں سامنے وجود میں آ گئیں، اور ان قسموں کے ساتھ نئے نئے دینی مسائل پیدا ہونے لگے، جن کی تفصیل آخری باب میں گزر چکی۔

اس مقالے کے مباحث میں سب سے زیادہ قابل توجہ اور حل طلب اہم مسائل میں سے "زر کی حقیقت" (The Nature of Money) ہے، کیونکہ موجودہ مغربی سرمایہ دارانہ نظام میں زر کو تجارتی آلہ (Tradable) بنا دیا گیا ہے، زر کے اس خلاف فطرت استعمال نے مختلف قسم کی معاشی اور شرعی مفاسد پیدا کئے، جن میں سب سے بنیادی خرابی سود کی ہے۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:-

> One of the most important characteristics of Islamic financing is that it is an asset-backed financing. The conventional capitalist concept of financing is that the banks and financial institutions deal in money and monetary papers only. That is why they are forbidden, in most countries, from

trading in goods and making inventories. Islam, on the other hand, does not recognize money as a subject-matter of trade... In conventional financing, the financier gives money to his client as an interest-bearing loan, after which he has no concern as to how the money is used by the client.(1)

امام غزالی رحمہ اللہ نے زر کو خلاف فطرت استعمال کرنے کو ظلم قرار دیا ہے:

اور جس نے بھی درہم و دنانیر میں سود کا معاملہ کیا تو اس نے نعمت خداوندی کی ناشکری کی اور ظلم کیا، کیونکہ ان دونوں کی تخلیق اپنے لئے نہیں بلکہ غیر کے لئے ہے، کیونکہ یہ دونوں مقصود بالذات نہیں، چنانچہ جب کوئی شخص ان دونوں میں تجارت کرے گا تو اس نے ان دونوں کو اس حکمت سے ہٹا دیا جس کے لئے ان کی تخلیق ہوئی تھی:

"إذ طلب النقد لغير ما وضع له ظلم"

کیونکہ زر کو کسی چیز کے لئے لینا جس کے لئے یہ پیدا نہیں ہوا ہے، ظلم ہے۔(۲)

گویا زر کے ساتھ عام اشیاء سا سلوک کرنا، اس کو قابل تجارت (Tradable) بنا دینا ظلم ہے، زر کے معاملے میں انصاف یہی ہے کہ جس مقصود کے لئے اس کی تخلیق ہوئی ہے اسی مقصود میں اس کو استعمال کیا جائے۔

اسی طرح اہم مسائل میں سے "نوٹ کی شرعی حیثیت" ہے، جس میں علماء کا اختلاف ہے لیکن راجح قول یہی ہے کہ یہ بذات خود ثمن عرفی (Customary Price) ہے۔

---

(1) An Introduction to Islamic Finance, p:25

(۲) إحياء علوم الدين، للغزالي الإمام أبو حامد محمد بن محمد الغزالي م ٥٠٥هـ، بيروت، لبنان، دار المعرفة ج ٤/ ٩١۔

مراجع ومصادر

(Biblography)

الف

- احکام الأوراق النقدية العصيمي (ستر بن ثواب الجعيد) الطائف مكتبة الصديق، طبع اول
- اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ادارۃ المعارف کراچی ۱۴، طبع اوّل ۱۴۲۱ھ
- اعلام الموقعین عن رب العالمین، ابن قیم الجوزیۃ (علّامۃ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن الجوزیۃ المتوفّٰی ۷۵۱ھ) مصر، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ
- إحیاء علوم الدین، الغزالی (الإمام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی م ۵۰۵ھ) بیروت، لبنان، دار المعرفۃ
- التصاویبات الفقہیۃ، متولی (الدکتور ابوبکر الصدیق عمر متولی) القاہرۃ مکتبۃ وہبۃ، طبع اول ۱۴۰۳ھ
- احکام القرآن، ابن العربی (ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی، متوفّٰی ۵۴۳ھ) بیروت، دار المعرفۃ، طبع سوم ۱۳۹۲ھ
- ابن ماجۃ والحاکم
- إمداد الفتاوی، تھانوی (حضرت مولانا اشرف علی تھانوی) کراچی، مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴
- ابحاث ھیئۃ کبار العلماء بالمملکۃ العربیۃ السعودیۃ، طبع اول ۱۴۰۹ھ

- البنك اللاربوي في الإسلام، الشهيد محمد باقر الصدر، بيروت، دار التعارف، طبع ششم، ۱۴۰۰ھ
- البلاغ، شمارہ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ دار العلوم کراچی ۱۴
- بحوث في قضايا فقهية معاصرة، العثماني (محمد تقي العثماني) كراتشي، مكتبہ دار العلوم كراتشي، طبع جديد ۱۴۲۶ھ
- بحوث في الربا، الإمام أبو زهرة، بيروت، دار الفكر العربي۔

ت

- تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، الزيلعي (الإمام فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي الحنفي) بيروت، دار الكتب العلمية، طبع اول ۲۰۰۰ء "يستحق إذا وجد معدن ذهب أو فضة وهو أمر ما باقٍ أو حديد ... نحو"
- تحفة المحتاج، الهيتمي (العلّامة ابن الحجر الهيتمي الشافعي)
- تحرير ألفاظ التنبيه، النووي (محيي الدين يحيى بن شرف النووي) دمشق، دار القلم، طبع اول ۱۴۰۸ھ
- تعارف زر و بینکاری، شیخ مبارک علی، بیسم ﷲ سکالر لیسلو یونیورسٹی، ناروے، رہبر پبلشرز کراچی، طبع اول ۱۹۹۱ء
- تغير النقود في ضوء الشريعة الإسلامية، الحسني (الدكتور أحمد حسن أحمد الحسني) جدة، دار المدني، طبع اول ۱۴۱۰ھ
- تكملة فتح الملهم شرح صحيح مسلم (جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی، مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴، طبع اول ۱۴۲۵ھ
- تلخيص الحبير، العسقلاني (علّامة ابن حجر العسقلاني المتوفى ۸۵۲ھ) الرياض، مكتبة نزار مصطفى الباز، طبع اول ۱۴۲۰ھ
- تهذيب الأسماء واللغات، النووي (أبو زكريا محيي الدين بن شرف النووي المتوفى ۶۷۶ھ) مصر، إدارة الطباعة المنيرية

ز

- زر اور بینکاری، شیخ عطاء اللہ، لاہور، کشمیر بازار، طبع اول ۱۹۵۴ء
- زاد المحتاج بشرح المنہاج، الکوہجی (الشیخ عبداللہ بن الشیخ حسن الحسن الکوہجی) قطر، طبع اول ۱۴۰۲ھ

س

- السیاسة النقدیة والمصرفیة فی الإسلام، الترکمانی (الدکتور عدنان خالد الترکمانی)، بیروت، مؤسسة الرسالة، طبع اول ۱۴۰۹ھ
- سود کی متبادل اساس، شیخ محمود احمد، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع اول ۱۹۸۶ء
- سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۹
- سنن ابی داؤد
- سورۃ الشعراء آیت ۱۸۱
- سورۃ ہود آیت: ۸۵
- سورۃ التطفیف
- سونا چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام، مؤلفہ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد سے لئے گئے ہیں، دارالافتاء جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور پاکستان
- سنن ابی داود، السجستانی (سلیمان بن الاشعث بن اسحاق السجستانی) البیوع

ش

- شرح الصاوی بمشیخة محمد ابراہیم المبارک، بحوالہ احکام الأوراق النقدیة والتجاریة للجعید
- شرح الحافظ ابن القیم علی سنن ابی داود مع عون المعبود، بیروت، دار الکتب العلمیة

- شرح منح الجلیل (علامۃ محمد علیش)
- الشرح الصغیر علی أقرب المسالک إلی مذهب الإمام مالک، الدردیر (العلامۃ أبو البرکات أحمد بن محمد بن أحمد الدردیر) مصر، دار المعارف
- شرح المجلۃ، الأتاسی (العلامۃ محمد خالد الأتاسی) پاکستان، کوئٹہ، مکتبہ اسلامیہ

ص

- صحیح مسلم، القشیری (أبو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری) باب المساقاۃ
- صحیح البخاری، البخاری (أبو عبد اللہ محمد بن إسماعیل البخاری) کتاب المساقاۃ

ط

- الطبرانی الکبیر، الطبرانی (سلیمان بن أحمد م ۳۶۰ھ)

ع

- عقد الجواهر الثمینۃ، ابن شاس (جلال الدین عبد اللہ بن نجم ابن شاس المتوفی ۶۱۶ھ) دار الغرب الإسلامی، طبع اول ۱۴۱۵ھ
- عزیز الفتاوی، مفتی عزیز الرحمن صاحب، کراچی، دار الاشاعت کراچی، طبع اول ص ۱۳۴
- عمدۃ الہدایۃ، لکھنوی (بحر العلوم مولانا فتح محمد صاحب لکھنوی) مکتبہ نشر القرآن دیوبند، یوپی، ہندوستان
- عقود التورید و المناقصۃ، مخطوطہ، جامعہ دار العلوم کراچی
- العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، شامی (علامۃ محمد امین المعروف بابن عابدین) بیروت، دار المعرفۃ، طبعہ ۲ م

ف

- فتاوی رشیدیہ، مولانا مفتی رشید احمد گنگوہی

❋ کنز الدقائق مع البحر الرائق: الإمام ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود المعروف بحافظ الدین النسفی المتوفی ۷۱۰ھ، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، طبع اول ۱۴۱۸ھ

❋ کتاب معاشیات، پروفیسر محمد منظور علی، طبع ۱۹۸۳ء علمی کتاب خانہ

❋ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم، عثمانی (جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی، میمن اسلامک پبلشرز، طبع اول ۱۹۹۳ء

❋ کتاب سود کی متبادل اساس، شیخ محمود احمد، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع اول ۱۹۸۹ء

❋ کنز العمال، المتقی (علاء الدین علی المتقی الهندی)، عدد الحدیث ۹۲۶۹

❋ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام القرطاس الدراہم، بریلوی (مولوی احمد رضا خان بریلوی) لاہور، شبیر برادرز، اردو بازار لاہور

❋ کتاب الروایتین والوجھین لابی یعلی

❋ کشاف القناع، البهوتی (العلّامة منصور بن یونس المتوفی ۱۰۵۱ھ) السعودیة العربیة، مطبعة الحکومة بمکة ۱۳۹۴ھ

❋ کتاب الکافی فی فقه اهل المدینة المالکی، القرطبی (ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر النمر القرطبی) السعودیة، الریاض، مکتبة الریاض الحدیثة، طبع دوم ۱۴۰۰ھ

❋ الکافی، ابن قدامة المقدسی، بیروت، المکتب الإسلامی، طبع سوم ۱۴۰۲ھ (۱۲۵/۲)

❋ کشف القناع عن متن الاقناع، البهوتی (منصور بن یونس البهوتی المتوفی ۱۰۵۱ھ) مکة المکرمة، مکتبة الحکومة ۱۳۹۴ھ

ل

❋ لسان العرب، ابن المنظور متوفی ۷۱۱ھ، بیروت دار إحیاء التراث العربی، طبع اول ۱۴۰۸ھ

English Books

A

- An Introduction to Islamic Finance

E

- Encyclopaedia of Britannica V: 5, p:722

F

- Footnotes on Introduction to Economics Principles

G

- Glossary; Banking and Finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics

H

- The Historic Judgment on Interest, Usmani, (Justice Muhammad Taqi Usmani) Karachi, Idaratul-Ma'arif, 1st edition, 2000 A.D

I

- Introduction to Economics Principles, Dr. A. N. Agarawal, Kitab Mahal, 1983

M

- Modern Economics Theory, Dewett, Kewal, Krishan, India Delhi, Eighteen revised edition 1985, p.409

N

- The New Encyclopaedia Britannica v.10, p.595

S

- Shari'a Standards 1423 AH. 2002, Accounting and Auditing Organization for Islamic Financial Institutions

T

- The Theory of Money and Credit, Mises, Ludwig Von Mises